مصباحِ طریقت
مصنّف
پیر سید مختار الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
آستانہ عالیہ چورہ شریف

مصباح طریقت

مُصنّف

پیر سید مختار الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آستانہ عالیہ بھورہ شریف

مکتبہ جمالِ کرم

9۔ مرکز الاویس (سٹاپ ہوٹل) دربار مارکیٹ - لاہور فون: 7324948

نام کتاب ——— مصباح طریقت

مصنف ——— پیر سید مختار الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اشاعت ——— مارچ 2003ء

تعداد ——— 11 سو

زیر اہتمام ——— ایم احسان الحق صدیقی

ناشر ——— مکتبہ جمال کرم لاہور

قیمت ——— 80 روپے

(ملنے کے پتے)

مکتبہ جمال کرم 9- مرکز الاولیس دربار مارکیٹ لاہور

پیر سیف اللہ شاہ خالد صاحب (ایڈووکیٹ) آستانہ عالیہ چورہ شریف

حافظ محمد زمان اللہ نوری لائن پارک چن دا قلعہ گوجرانوالہ

الیاس جنرل سٹور اینڈ بک ڈپو مین بازار کاموںکی

انتساب

تعظیم جس نے کی محمد کے نام کی۔ اللہ نے اس پہ آتشِ دوزخ حرام کی

فہرست

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ''اے شخص تو اس طرح زندگی بسر کر کہ جب تو دنیا میں آئے تو لوگ ہنس رہے ہوں۔ اور تو رو رہا ہو۔ مگر جب تو دنیا سے رخصت ہو رہا ہو تو دنیا رو رہی ہو اور تو ہنستا ہوا دنیا سے رخصت ہو رہا ہو۔''

پیش لفظ

از

پیر سیف اللہ شاہ خالد (ایڈووکیٹ)

آستانہ عالیہ چوڑہ شریف

قبلہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اس کتاب کی اشاعت ہمارے لئے ایک خواہش اور تمنا ہی نہیں بلکہ ایک بڑی سعادت تھی مگر اس کتاب کی طباعت اور اشاعت کو اس کے معیار کے مطابق آراستہ و پیراستہ کرنا ایک مشکل امر تھا کیونکہ بعض مقامات پر کچھ الفاظ کو پڑھنے اور سمجھنے میں انتہائی دشواری کا سامنا تھا اور ایک جملہ تو درکنار ایک لفظ کے ہٹانے سے پورے متن کا مفہوم اور تحریر کا حسن ماند پڑ جاتا۔ لہٰذا اس تحریر کو بعینہٖ اصل حالت میں لانے کے لئے محنت کے ساتھ ساتھ وقت بھی درکار تھا۔

اس کتاب کی تکمیل سے قبل ہی والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ذیابیطس کا مرض لاحق ہو گیا اور ساتھ ساتھ وہ عارضہء قلب میں بھی مبتلا ہو گئے اور بالآخر ۱۹۹۳ میں ان کو دل کا بائی پاس آپریشن کروانا پڑا۔ یہ آپریشن بھی کامیاب نہ ہو سکا اور حضور والد گرامی تادم وصال ان دونوں امراض میں مبتلا رہے۔ بیماری کے باعث ضعف غالب آ گیا اور اس کتاب کا کام بھی جاری نہ رکھ سکے۔ دو موضوعات ''فنافی الشیخ'' اور ''فنافی الرسول'' کی تفصیل و تشریح ادھوری رہ گئی۔ اس کام کے لئے انہوں نے عزیزم صاحبزادہ اسد اللہ شاہ غالب کو ارشاد فرمایا۔ جو اس وقت زیر تعلیم تھے اور بالآخر انہوں نے ان دونوں موضوعات کو تحریر کر کے اس کتاب کی

تکمیل کی۔اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ہم نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ اس کتاب کی طباعت اور متن میں کم سے کم غلطیاں ہوں مگر اس کے باوجود اگر کوئی غلطی باقی رہ گئی ہو تو قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس کی ضرور نشاندہی فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کا ازالہ ہو سکے۔

ہمارے عمِ محترم اور ہمارے والد گرامی کے دونوں برادران محترم المقام پیر محمد طفیل شاہ صاحب اور محترم المقام پیر محمد طیب شاہ صاحب نے نہ صرف اس کتاب کی اشاعت بلکہ زندگی کے دیگر امور میں بھی ہمیں ہمیشہ ہر طرح کی راہنمائی اور مشاورت سے نوازا ہے۔جو ان کا اپنے برادر اکبر حضرت پیر سید مختار الحسن شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ مثالی تعلق اور محبت کے جذبات کا اظہار ہے۔اللہ پاک ان دونوں بزرگوں کا سایہ ہمارے سروں پہ ہمیشہ قائم رکھے۔(آمین)

اس کتاب کی اشاعت میں چند دوستوں کی محنت کا بہت زیادہ عمل دخل ہے۔جس کا تذکرہ میں ضروری سمجھتا ہوں۔میرے والد محترم رحمتہ اللہ علیہ کے لاڈلے اور محبوب مرید عزیزم فیض الرحمٰن مختار نوری کی محنت،لگن اور جذبہ قابل داد ہے۔اس کے علاوہ خواجہ پرویز احمد (میر پور) عزیزم محمد اشفاق مغل، محمد ساجد رفیق (لاہور)، پروفیسر اسحاق جاوید، محمد عثمان، ندیم احمد (فیصل آباد) اور کامونکی سے محمد عبدالقیوم اور مون بٹ کی محنت بھی لائق ستائش ہے اس کتاب کی تزئین و تدوین اور تشکیل و تکمیل میں ہمارے والد گرامی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید خاص اور خلیفہ مجاز حافظ محمد زمان اللہ نوری اور چوہدری ذوالفقار صاحب کی محبت اور محنت کا بھی عمل دخل ہے۔خُدائے عزوجل انہیں اجرِ عظیم سے نوازے

آخر میں قارئین سے اتنی گزارش ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے باعث اگر کسی دوست کو

دین میں فہم اور راہ نمائی نصیب ہو اور سرورِ ذوق، شوقِ اطاعت، عبادت اور ریاضت حاصل ہو تو اس پُرکیف لمحے میں میرے والدِ گرامی (اس کتاب کے مصنف) محی السنہ پیر سید مختار الحسن شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔ خُدائے لم یزل ہمیں اپنے بزرگوں کے نقوش پر قائم دائم رکھے۔ (امین)

پیر سیف اللہ شاہ خالد (ایڈووکیٹ)

آستانہ عالیہ چوُرہ شریف

تقریظ

از

پیر محمد طفیل شاہ صاحب

آستانہ عالیہ چوُرہ شریف

زیرِ نظر کتاب کے مؤلف میرے برادر بزرگ پیر سیّد مختار الحسن شاہ صاحب اس دُنیا میں ۱۹۳۷ء میں آئے اور ۱۹ جون ۱۹۹۸ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپ نے زندگی کے ۶۰ برس اس سرزمین چوُرہ شریف میں گزارے۔ ہمارے والد قبلہ پیر محمد سعید شاہؒ سلسلۂ طریقت کو پیشہ بنانا مردود گردانتے تھے۔ آپ مُریدین کی تربیت اکثر و بیشتر اپنے ڈیرہ پر ہی کرتے اور کئی سالوں کے بعد مُریدین کے بہت زیادہ اصرار پر تبلیغی پروگرام کے لئے گھر سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ ہماری گزر بسر زرعی زمین پر تھی، جس کی دیکھ بھال ضروری تھی۔ کشمیر پر بھارتی حملہ کے وقت قبلہ والدِ گرامیؒ نے آزاد کشمیر کے علاقہ میں عملی حصہ لیا۔ بھارتی طیارے بمباری کر رہے ہوتے اور آپ لوگوں کو جہاد میں شرکت کی ترغیب کے لئے مختلف اجتماعات میں خطابات کر رہے ہوتے۔ اس وقت کے وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان کی طرف سے ایک تحریری دستاویز دی گئی، جس مین واضح ہدایت تھی کہ پیر محمد سعید شاہ صاحب ” کو آزاد کشمیر کے علاقہ میں کہیں بھی اور کسی بھی جگہ جانے میں کوئی رُکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔ تقسیم کے بعد آپ نے آزاد کشمیر کے مشہور سماجی لیڈر کرنل خان محمد خان سے مل کر آزاد کشمیر کے لوگوں کی بہبود کا کام کیا۔ خصوصاً ان کی تعلیم کے حصول کے لئے

کوشش کی گئی۔ پلندری میں قائم مشہور درسگاہ ادارہ تعلیم القرآن جس کی تعمیر میں آپ نے اپنے ہاتھوں سے شرکت کی، واضح مثال موجود ہے۔ تقسیم ہند کے بعد مہاجرین کی بہت بڑی تعداد پاکستان کے مختلف اضلاع میں کیمپوں میں لائی گئی۔ ہمارے ضلع اٹک میں بہت بڑی تعداد مہاجر کیمپ میں لائی گئی۔ حکومت کے وسائل محدود تھے۔ یہ کیمپ لوگوں کی امداد پر چلتے تھے۔ اس کیمپ میں جب پیر صاحب کی وساطت سے غلہ اور کپڑوں کی بڑی تعداد پہنچنے لگی تو ضلع کے انگریز D.C نے خواہش کی کہ وہ پیر صاحب سے ملاقات کرنا چاہتا ہے کہ "ایسا پیر کون ہے جو لینے کے بجائے دے رہا ہے۔" ملاقات پر اس نے بہت تکریم کی اور یہ بھی خواہش کی کہ ضلع جیل میں ہر جمعہ قیدیوں کی اصلاح کے لئے خطاب فرمایا کریں۔ ذرائع رسل وسائل بہت مشکل ہونے کے باوجود آپ نے یہ دعوت قبول کی اور بہت عرصہ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

آبائی حالات لکھنے کا مقصد یہ بتانا مقصود ہے کہ ان سخت اور محنت طلب حالات میں برادر بزرگ کی پرورش ہوئی۔ بہت چھوٹی عمر میں ہی گھر کے کام کاج ان کے ہاتھ میں دے دیئے گئے تھے۔ دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کے حصول کو بھی ضروری قرار دیا گیا۔ سکول کی تعلیم کے لئے آپ کو جنڈ جانا پڑتا تھا۔ آپ روزانہ چھ میل پیدل جنڈ تک جاتے اور پھر واپس بھی پیدل ہی آتے۔ واپسی پر دینی تعلیم والدِ گرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کرتے۔

آپ انتہائی زیرک اور معاملہ فہم تھے۔ سکول کے زمانہ میں ہی آپ کو میاں صاحب کے نام سے پکارا جانے لگا۔ یہ اشارہ تھا میاں ممتاز دولتانہ کی طرف جو بادشاہ گر کے لقب سے مشہور تھے۔

اب ایک مختصر گھرانے کے خرچ سے زیادہ کی ضرورت تھی کیونکہ ہم تمام بہن بھائیوں کی تعلیم

اور تربیت کا زائد خرچ بھی ضروری تھا۔اس کے لئے تدبیر آپ ہی کو کرنی پڑی۔سکول سطح کی تعلیم سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی علاوہ اور کاموں کے لنگر کا انتظام بھی آپ نے سنبھال لیا۔تمام متوسلین کے ساتھ برابر کا برتاؤ فرماتے تھے۔یہ قبلہ والد گرامیؒ کی خصوصی تربیت تھی،جس پر آپ خود بھی ساری عمر عمل پیرا رہے۔ ۱۹۶۹ء میں قبلہ والد صاحب کی وفات کے بعد گھر کا سارا بوجھ آپ کے کندھوں پر آ گیا۔میں نے اور چھوٹے بھائی محمد طیب نے ملازمت اختیار کر لی تھی۔اس لئے اب طریقت کے چلانے اور اسے مزید وسعت دینے کی ذمہ داری بھی آپ کے لئے تھی۔آپ نے سلسلۂ طریقت کو جس خوبی سے چلایا وہ آپ کے حلقۂ احباب کی وسعت سے ہی ظاہر ہے۔آپ کی زیرکی اور ذہانت نے آپ کے حلقۂ احباب کو بھی بہت فائدہ پہنچایا۔دینی امور کے علاوہ اکثر دنیاوی کاموں میں بھی آپ سے راہنمائی حاصل کرتے رہے۔آپ گوشہ نشیں تصوف سے بالکل لاتعلق رہے۔والدِ گرامی کی طرح آپ بھی خاندان کے تمام معاملات میں عملاً حصہ لیتے اور ارد گرد کے گاؤں والوں کے رفاہی کاموں اور ان کے دکھ درد کے وقت ان کی مدد بھی کرتے تھے غریب لوگوں سے ہمدردی اور ان کے لئے خدمت کا جذبہ بھی قبلہ والد صاحب کی طرف سے ورثہ میں ملا۔سب سے بڑھ کر یہ کہ غیر مثالی طور پر ہم بہن بھائیوں کے لئے بہت شفیق تھے۔ہم سب کی شادیاں اور دیگر امور آپ ہی نے سرانجام دیں اور عمر کے آخری حصہ میں ہمیں مکان وزمین وغیرہ تقسیم کر دیں۔وہ بھی اس طرح کے حصہ میں چنوتی میں اوّلیت ہمیں دی۔ اپنے لئے جو بچا وہ رکھ لیا۔مجھے یاد ہے کہ تقسیم کے بعد میں خوب رویا تھا۔آپ نے انتہائی شفقت سے فرمایا فکر نہ کرو،میں یہ سب کچھ بعد کے قضیوں سے بچانے کے لئے کیا ہے۔ ورنہ میں بدستور آپ کے تمام دینی و دنیاوی معاملات میں نگرانی اور مدد کرتا رہوں گا اور ہم

بھائیوں نے آپ کو اپنے قول کا بہت سچا پایا۔ آپ تادم وصال ہماری ہر طرح کی ضرورت پوری کرتے رہے۔ آپ خوش لباس اور نفیس طبع تھے۔ لباس قیمت میں بے شک اچھا نہ ہو لیکن اس کی تراش خراش اور صفائی کا بہت خیال رکھتے۔ کھانا بہت کم کھاتے لیکن اس کی پاکیزگی اور حلت کی بہت احتیاط کرتے تھے۔ قرآن پاک کی قرأت بڑی پیاری آواز میں اور تجوید کے مطابق ہوتی۔ ہمارے اکثر بزرگ فرماتے تھے کہ مختار الحسن شاہ صاحب قرآن پاک بہت صحت کے ساتھ پڑھتے ہیں نماز باجماعت کا بہت اہتمام کرتے۔ گھر میں اکیلے نماز ادا کرنے والے صوفیوں میں سے نہ تھے۔ اپنے خاندان کے تمام نوجوانوں کو جماعت کے قیام کی بہت ترغیب دیتے اور آپ ہی کی کوشش سے ہماری مسجد میں نماز باجماعت کا اہتمام جاری ہے۔

ہمارے نوجوان آپ کے اس کار ثواب کے شاہد ہیں اور اکثر اس بات کا برملا اظہار بھی کرتے ہیں۔ فقہی مسائل میں بہت دقیق نظر تھی۔ آپ نے اپنی ساری زندگی قرآن وسنت کے مطابق بسر کرنے کی حتی المقدور سعی فرمائی اور خدا کے فضل وکرم سے اس فرض کو آپ نے بہت خوبی سے پورا کیا۔ آپ کی وضع قطع، لباس، گفتار، معاملات اور اخلاق سب سنتِ مطہرہ کے مطابق تھے۔ حلال اور حرام کے درمیان بہت احتیاط فرماتے تھے۔

بندۂ ناچیز تو خود ہی اپنے بھائی کی سرپرستی اور امداد کا طالب رہا۔ اس لئے کوئی خدمت نہ کر سکا لیکن برادر بزرگ کے گھریلو اور خصوصاً لنگر کے انتظامات میں چھوٹے بھائی محمد طیب شاہ صاحب نے بے حد اور گراں قدر خدمات انجام دیں اور بڑے ایثار اور محبت سے بھائی جان اور ان کے عقیدتمندوں کی خدمت کی۔ مرحوم برادر اپنے اس بھائی سے تادم وصال بہت خوش رہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے تمام ارادت مند عزیزم محمد طیب شاہ صاحب کی بہت

قدر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نیک بھائی محمد طیب شاہ کو اجرِ خیر سے بلا قیدِ مقدار حصہ عطا فرمائے۔ آمین۔ تصوف سے متعلق کتابیں پہلے سے موجود تھیں لیکن ان میں جو اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ وہ عام طور پر غیر مانوس ہیں۔ اب لوگ بہت مصروفیت اور عدمِ فرصت کی وجہ سے مرشد کے پاس کچھ دن ٹھہر کر تربیت حاصل کرنے سے محروم ہیں۔ اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ تربیت کے لئے تحریر کو استعمال میں لایا جائے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ تصوف کی اصطلاحات کو مانوس اور عام فہم انداز میں پیش کیا جائے اور یہی کوشش اس کتاب کی تالیف میں کی گئی ہے۔ انشاء اللہ تمام عقیدتمندوں کی تربیت کو یہ کتاب کفایت کرے گی۔ اگر ایسا ہو جائے تو مقصد تالیف عند اللہ مقبول اور ماجور ہوگا اور انشاءاللہ ایسا ضرور ہوگا۔

پیر محمد طفیل شاہ

آستانہ عالیہ چوڑہ شریف

مقدمہ

از

صاحبزادہ اسد اللہ شاہ غالب

آستانہ عالیہ چورہ شریف

﴿ تصوف کی تاریخ ﴾

چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی دنیا کی تاریخ میں بدترین زمانہ تھا۔ دنیا کا کوئی مذہب اپنی اصل ہیت پر قائم نہ تھا۔ انبیاء کی تعلیمات مسخ ہو چکی تھیں۔ انسانوں کی عملی زندگیوں پر غفلت و گمراہی کی تیرہ تار گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ انسانیت جاں بلب تھی اشرف المخلوقات کی اس زبوں حالی کو دیکھ کر رحمت حق کا بحرِ رحمت موجزن ہوا۔ اور دنیا کی اصلاح کے لیے مصلح اعظم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ پر وہ کتاب نازل فرمائی۔ جو تمام علوم کا منبع اور معدن ہے اور جس سے بڑھ کر اخلاقی تعلیم دنیا کی کسی تعلیم میں موجود نہیں ہے۔ خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انما بعثت لمکارم الاخلاق (میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں) آپ ﷺ کے اس وعدے کی تائید قرآن میں بھی ہے۔ اِنک لَعلیٰ خلق عظیم ۔ توحید اور حسن خلق ہی دو ایسی چیزیں ہیں۔ جو تصوف کی روحِ رواں ہے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ دونوں امور اسلام سے بہتر اور اکمل دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں ہیں۔ لٰہذا جو مذہب و مسلک اسلام کے خلاف ہے وہ صاحب تصوف نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پر جن لوگوں نے بیعت کی تھی وہ سب صوفی تھے۔ یہ لوگ قرآن وحدیث کے علاوہ کسی اور چیز پر عمل نہیں کرتے تھے۔ ان کا ہر فرد عابد وزاہد بھی تھا اور معلم ومفکر بھی۔ خودداری کا یہ عالم تھا کہ اگر گھوڑے پر چلتے ہوئے کوڑا ہاتھ سے زمین پر گر جائے تو خود اُتر کر اٹھالیا کسی سے سوال نہیں کیا۔ ان کی ملکیت میں مصلیٰ، عصا اور کاسہ ان تین چیزوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو راحت پہنچاتے انہیں کے قوتِ بازو سے دنیا میں حق وانصاف، علوم وفنون اور امن وامان کا سمندر موجزن ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے تو اس وقت اسلام ہند، شام، مصر، چین اور افریقہ میں پہنچ چکا تھا بلکہ تقریباً تمام عرب حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا۔ وہ عرب جہاں آتش فساد مستقل رہتی تھی، وہ عرب جہاں دختر کشی، قمار بازی، شراب نوشی، استحصال بالجبر وغیرہ بکثرت رائج تھے۔ جہاں جہالت کی تاریکیاں ہر سو پھیل چکی تھیں اسلام کے بعد امن تہذیب حسنِ اخلاق اور علم وعمل کا گہوارہ بن چکا تھا۔ قوم کا نظام اعلیٰ منزل تک پہنچ چکا تھا۔ توحید کے نور سے سینے منور ہو چکے تھے۔ وہاں ایک بڑی جماعت تیار تھی جو دنیا کی معلم اور راہبر بننے کے قابل ہو چکی تھی۔

یہ تھا وہ دور، جہاں سے حقیقی تصوف کا آغاز ہوتا ہے۔ اگرچہ تصوف اسلام سے قبل بھی موجود تھا مگر وہ تصوف رہبانیت کی تعلیم دیتا تھا کہ دنیا سے دور جنگلوں میں جا کر اللہ اللہ کریں۔ مگر اصل تصوف کی بنیاد اسلام نے آ کر دی۔

صحابۂ کرام کے دور میں تو اسلام عروج کی طرف گامزن رہا۔ مگر خلفائے راشدین کے بعد جب اسلام تنزل کی طرف آیا تو ہر وہ طبقہ جو احکام شریعت کا پابند تھا۔ اسلامی تعلیمات پر مکمل عمل پیرا تھا۔ انہوں نے جابر اور ظالم حکمرانوں کے مظالم کو ختم کرنے کے لیے عام

لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ اوران کے اولیاء نے واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ بھی دیکھا۔ جب یزیدی فوج نے کربلا اور مدینہ منورہ میں خانوادۂ اہل بیت اور صحابۂ کرامؓ کو تاراج کیا تو مسلمانوں کا دیندار طبقہ حکومت سے متنفر ہو گیا اور اس نے حکومت سے قطع تعلق کر لیا اور حسرت وآرزو کے ساتھ عہدِ نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور کو یاد کرتے۔ حجاج بن یوسف کے مظالم دیکھ کر حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو اتنی تکلیف اور اذیت پہنچی کہ آپ مسلسل گیارہ سال گوشہ نشین رہے اور جب حجاج کے مرنے کی خبر سنی تو سجدۂ شکر ادا کیا اور یہ فرمایا۔ اللھم انی اخافک و اخاف من لا یخافک۔ (ترجمہ) اے اللہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں جو تجھ سے نہیں ڈرتا۔

یہ تھے وہ حالات جن میں صوفیاء کا پہلا طبقہ وجود میں آیا۔ مؤرخین نے اس طبقے کے زمانے کو ۶۶۱ء تا ۸۵۰ء تک مقرر کیا اس میں خواجہ حسن بصریؒ، حضرت مالک بن دینارؒ، حضرت محمد واسعؒ، حضرت حبیب عجمیؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ، حضرت ابراھیم ادھمؒ شامل ہیں۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ جب ظاہر کی دنیا تاراج اور تاریک ہو جاتی ہے اور انسان پر یاس وحرمان کا غلبہ ہوتا ہے تو انسان باطن کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی کا رات دن مشاہدہ انسان کو فکرِ آخرت میں غرق کر دیتا ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور کے صوفیا پر خشیت الٰہی کا بڑا غلبہ تھا۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مکالمہ نگار Islamic Mysticism کے تحت لکھتا ہے۔

The First Stage of Sufism appeared in pious circles as a reaction against the worliness of the early

ummyada period (661-749) from the practice of constantly meditating on the quranic (Islamic Scripture) words about doomsday, the ascetics became known as "those who always watch and those who considered this world " a hut of sorrows" they were distuinguished by their scruplous fulfilment of the injuntion of the Quran and traditoin by many acts of piety and especially by a predidilection for night prayer.

ترجمہ۔ تصوف کا پہلا مرحلہ اہل تقویٰ کے حلقوں میں ایک ردِ عمل کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔وہ ردِ عمل ابتدائی دور بنو امیہ (۶۶۱ء۔ ۷۴۹ء) کی دنیاداری کے خلاف ظہور پذیر ہوا قیامت اور آخرت کے متعلق آیات قرآنیہ پر تدبر و تفکر کرنے سے ان زہاد کا نام ہی "اہلِ بکا" پڑ گیا۔جو دنیا کو ''دارالحزن'' سمجھتے تھے۔ان کی امتیازی خصوصیت قرآن وحدیث کے احکام کی انتہائی احتیاط کے ساتھ بجا آوری، اعمال خیر کی کثرت اور شب زندہ داری تھی امراء اور سلاطین کے ہاتھ سے جب عدل وانصاف اور اخوت ورواداری کا دامن گر گیا۔رحم کے بجائے ظلم اور کرم کے بجائے ستم ان کا شیوۂ زیست بن گیا۔عوام ان سے حد درجہ نالاں ہو گئی تو پھر خدا کے یہ بندے ان کے ظلم اور جبر سے تنگ آکر باہر جنگلوں میں نکل آئے۔اور لوگ آہستہ آہستہ جب اپنے احوال کی اصلاح کے لیے ان کے پاس جانے لگے تو وہاں خانقاہیں بننی شروع ہو گئیں۔اور جب خانقاہیں تعمیر ہوئیں عوام الناس کے لیے تربیت گاہیں

بن گئیں۔اوراس طرح تصوف ایک باقاعدہ نظام بن گیا اور پھر جب یہ صوفیاء دیکھتے کہ کسی خطے میں اسلام تنزل اور انحطاط کا شکار ہے یا کسی جگہ اسلام کی کرن نہیں پہنچی تو یہ لوگ اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر وہاں مقیم ہو جاتے اور اپنے فیوض و برکات سے اس خطے کو نوازتے رہتے۔

﴿ تصوف کی اہمیت ﴾

جو شخص مذہب کا پیروکار ہے مگر تصوف پر عامل نہیں اس کی مثال اس شخص کی ہے جس نے حلوائی کی دوکان پر ساری عمر حلوہ بنایا اور خود کبھی حلوہ نہ کھایا۔

تصوف کی بدولت انسان اس اللہ سے مکمل رابطہ پیدا کر سکتا ہے جسے وہ اپنا معبود و مسجود یقین کرتا ہے۔تصوف دل کی نگہبانی کا دوسرا نام ہے۔کیونکہ انسان بظاہر جسم اور نفس کا نام ہے مگر درحقیقت دل کا نام ہے۔اور اگر دل کا نام ہے اور دل مسلمان نہ ہو سکا تو رکوع وسجود یا زبان سے خدا کا اقرار دونوں بے معنی ہیں۔

؎ خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

پس تصوف دل و نگاہ کو مسلمان بنا دیتا ہے اور یہ بات یقین کامل کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ تصوف کے علاوہ دل و نگاہ کو مسلماں بنانے کی اور کوئی صورت نہیں خود اقبال کا مشورہ بھی یہی ہے۔

؎ می نروید تخم دل از آب و گل بے نگاہے از خداوندان دل

یعنی جب تک کوئی شخص خداوندان دل کی صحبت اختیار نہیں کرے گا اس وقت تک دل حقیقی معنٰی میں دل نہیں بن سکتا اور بات بھی معقول ہے۔چراغ سے ہی چراغ روشن ہو سکتا ہے۔

انسان کی عقل اور روحانی زندگی میں تصوف کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ

عصرِ حاضر کا مشہور فلسفی رسل **Russel** جسکے بارے میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ تصوف کا حامی ہے۔ کہتا ہے کہ دنیا میں جس قدر عظیم ترین فلسفی گزرے ہیں سب نے ساتھ ساتھ تصوف کا بھی اعتراف کیا ہے۔ رسل نے اپنے ثبوت میں حسب ذیل فلسفیوں کے نام بطورِ مثال پیش کیے ہیں۔ ہرقلیطوس، پارمینائڈیز، افلاطون اور اسپنوزا وغیرہ۔

﴿ تصوف کی لغوی تعریف ﴾

اشتقاق کے اعتبار سے تصوف کے لغوی معنیٰ میں علمائے اسلام کو سخت اختلاف رہا ہے۔ ان میں سے چند اقوال درج ذیل ہیں۔

۱۔ عام طور پر "صوفی" کے لفظ کو "صوف" سے مشتق کیا جاتا ہے۔ ابن خلدون کا یہی قیاس ہے عربی لغت کے اعتبار سے تصوف کے معنیٰ ہیں "اس نے لباس پہنا" جیسے "تَقَمَّصَ" کے معانی ہیں اس نے قمیص پہنی۔ ابتدا میں صوفیاء کو ان کی صوف پوشی کی وجہ سے صوفی کہنے لگے۔ لیکن صوفیاء صرف صوف پوشی سے مخصوص و مختص نہیں اور نہ ہی صوف پوشی ہی اہل معرفت کی پہچان ہو سکتی ہے۔

۲۔ بعض لوگ لفظِ صوفی کو صفا سے مشتق خیال کرتے ہیں۔ یعنی صوفی وہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے صفائی قلب سے زینت بخشی ہے اور قلب کی صفائی اور اصلاح سے ظاہر ہے کہ سارے جسد کی اصلاح ہوتی ہے لیکن لغوی اعتبار سے یہ اشتقاق درست قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ صفا سے جو لفظ مشتق ہوگا وہ لغت صحیح کی رو سے صفوی ہوگا نہ کہ صوفی۔

۳۔ بعض کی رائے سے صوفی لفظ صف سے مشتق ہے یعنی صوفیاء حضورِ حق میں اپنے قلوب کے ساتھ صفِ اوّل میں حاضر ہوتے ہیں یہاں بھی معنیٰ کے اعتبار سے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا لیکن لغت کے اعتبار سے صف کی طرف نسبت ہو تو "صَفِّي" حاصل ہوگا نہ کہ صوفی۔

۴۔بعض نے صوفی کو ''صُفّہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔حضورانور ﷺ کے زمانے میں بعض صحابہ جن کی تعداد ستر سمجھی جاتی تھی ۔دنیوی تعلقات کوترک کر دیا تھا اور ''فقرالی اللہ'' اختیار کرلیا تھا وہ صرف ایک کپڑے میں زندگی بسر کرتے تھے۔ان کو اہل صفہ کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے ''صفہ'' مسجد نبوی کو اپنی قیام گاہ بنالیا تھا۔صوفیاء کوبھی اپنی اوصاف کی بناپر اہل صفہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مگر اشتقاق لفظی کی نظر سے دیکھا جائے تو صفہ کی طرف نسبت ''صُفّی'' کا لفظ پیش کرتی ہے نہ کہ صوفی کا۔

۵۔بعض کا خیال ہے کہ یہ یونانی لفظ ''سوفوس'' سے بنا ہے۔جس کے معنیٰ حکمت کے ہیں مگرمشہور محقق نولڈکی NOLDEKE نے اس کی تردید میں لکھا ہے کہ دو یونانی حرف SIGMA عربی میں ہمیشہ ''س'' صورت میں آتا ہے نہ کہ ''ص'' صورت میں اور صوفی ''ص'' سے ہے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ اس لفظ کا اشتقاق ''سوفوس'' سے نہیں ہوسکتا۔

﴿قول راجح﴾

راجح قول یہی ہے کہ لفظ صوفی ''صوف'' سے مشتق ہے کیونکہ لغوی اعتبار سے یہ لفظ اپنے مادہ کے زیادہ قریب ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں صوفیاء اکثر و بیشتر یہی لباس استعمال کرتے تھے۔

تیسری بات یہ ہے کہ صوف کے استعمال میں اس چیز کا اظہار تھا کہ صاحب لباس دنیوی تعیشات کی طرف بہت کم مائل ہیں اور کسی نہ کسی درجے میں ''زھد فی الدنیا'' کی طرف رجحان رکھتا ہے۔اکثر انبیاؑ صوف کا لباس استعمال کرتے تھے چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ لباسی صوف و شعاری الخوف.

ترجمہ (میرا لباس صوف اور میرا اشعار خوف الٰہی ہے)۔

جب سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو حضرت عمرؓ نے آپ کی صفات عالیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ لبس الصوف۔ (آپ صوف کا لباس پہنتے تھے)۔

اسی طرح آپ ﷺ کے صحابہؓ میں سے حضرت ابو ذر غفاریؓ حضرت سلمان فارسیؓ جیسے حضرات بھی صوف ہی کے کپڑے پہنتے تھے۔

ایک دن حضرت موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا۔ میرے بچے اگر تو اس وقت ہم لوگوں کو دیکھتا جب ہم حضور ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اور جب بارش میں ہمارے کپڑے بھیگ جاتے تھے اور ہمارے کپڑوں سے بھیڑ کے اون کی طرح بو آتی۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ میں نے ستر بدری صحابہ کرامؓ سے ملاقات کی ہے ان سب کا لباس صوف تھا۔ حضرت اویس قرنیؓ معرکہ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑنے کے لئے تشریف لائے تو ان کے جسم پر صوف کا لباس تھا اور سر منڈا ہوا تھا۔

﴿ علمِ تصوف قرآن کی روشنی میں ﴾

۱۔ کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم ایتنا و یزکیکم ویعلمکم الکتٰب و الحکمۃ و یعلمکم ما لم تکونوا تعلمون۔

ترجمہ۔ جس طرح تم میں ہم نے ایک رسول ﷺ بھیجا۔ تم ہی میں سے ہماری آیات تم کو پڑھ کر سناتے ہیں اور تم کو پاک کرتے ہیں اور تم کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور اس چیز کی بھی تم کو تعلیم دیتے ہیں جن کو تم نہیں جانتے تھے۔

تعلیم کو دو مرتبہ ذکر فرمانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسری تعلیم اور قسم کی ہے ممکن ہے اس دوسری تعلیم سے مراد علمِ لدنی ہو جو ظاہر قرآن سے ماخوذ نہیں بلکہ باطن قرآن سینۂ بے کینہ جنابِ رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے حاصل کرنیکا سوائے انعکاس نور

کے اور کوئی طریقہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

یہی وہ علم ہے جس کے سیکھنے کے لیے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت خضرؑ کی خدمت میں دریا کے کنارے بھیجا تھا جس کا مفصل ذکر سورہ کہف میں ہے۔

اس علمِ لدنی کے معارف وحقائق اور علوم کی تعلیم زبان سے بالکل نہیں ہوسکتی۔ ہوسکتی ہے تو زبانِ حال یا ایک قلب کا ایک دوسرے پر عکس پڑنے سے۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں کہ معارف وحقائق انعکاس قلب سے حاصل ہوتے ہیں یا القا سے دستیاب ہوتے ہیں۔ اور کثرتِ ذکر ومراقبہ خواہ مجلس ذکر میں ہو خواہ خلوت میں اس انعکاس کی صلاحیت پیدا کر دیتے ہیں۔ اور انعکاس خواہ خود جناب رسول اللہ ﷺ سے بلا واسطہ ہو یا وسائل (مشائخ) کے ذریعے سے۔

۲. واذکر اسم ربک و تبتل الیہ تبتیلا. یاد کر نام اپنے پروردگار کا ہمیشگی کے طور پر۔ یعنی ہمیشہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہ۔ اور سب سے توڑ کر اس سے جوڑ۔ اسم رب سے اسم ذات یا اسم اشارہ یا اسمائے حسنیٰ سے کوئی ایک (صفاتی) نام مراد لیا جاسکتا ہے مگر عام طور پر صوفیائے کرام اسم ذات (اللہ) ہی مراد لیتے ہیں کیونکہ یہی ایک نام ذاتِ باری ہے۔ جس کی طرف سب دوسرے (صفاتی نام) منسوب ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہی اسم علم ہے اور یہی اسم اعظم ہے۔ اور اسی میں وہ جذب وکشش اور تاثیر وفنا وبقا ہے کہ بیان میں نہیں آسکتی توحید اُسی کو ایک کہنا اور ایک دیکھنا ہے۔ عدم کو بود کرنا اور بود کو نابود کرنا اُسی کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ اس لفظ پاک اللہ کا ہر جزو (اللہ، للہ، لہٗ، ہٗ) اس کی ذات اور صفات پر دلالت کرتا ہے۔ نزول قرآن سے پہلے عربی زبان میں اللہ کا لفظ خدا کے لیے بطور اسم ذات کے مستعمل تھا۔ اور خدا کی تمام صفتیں اسی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ یہ نام کسی خاص

صفت کے لیے نہیں بولا جاتا تھا۔قرآن میں بھی یہی لفظ بطور اسم ذات کے اختیار کیا گیا اور تمام صفتوں کو اس سے طرف نسبت دی۔ وللہِ الاسماء ُالحسنیٰ ۔اور اللہ کے لئے ہی حسن وخوبی کے نام ہیں۔ چونکہ یہ اسم خدا کے لیے بطور اسم ذات کے استعمال میں آیا ہے اس لئے قدرتی طور پر ان تمام صفتوں پر حاوی ہو گیا ہے۔جن کا خدا کی ذات کے لئے تصور کیا جا سکتا ہے۔اگر ہم خدا کا تصور کسی خاص صفت کے ساتھ کریں مثلاً الرب یا الرحمن یا الرحیم تو یہ تصور صرف ایک خاص صفت ہی میں محدود ہو گا۔مگر جب ہم اللہ کا لفظ بولتے ہیں تو فوراً ہمارا ذہن ایک ایسی ہستی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو ان تمام صفات حسن وکمال سے متصف ہے جو اس کی نسبت بیان کی گئی ہیں جو کہ اس میں ہونی چاہئیں۔یہی وجہ ہے کہ اولیائے عظام اسی لفظ پاک (اللہ) کا ذکر کراتے ہیں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اسم ذات (اللہ) کا ذکر کرنے کا طریقہ میں فرماتے ہیں کہ بوقت ذکر لفظ مبارک اللہ کے معنی کو بیچونی اور بیچگونی کے ساتھ ملاحظہ کرے اور کسی صفت کو اس کے ساتھ شامل نہ کرے۔قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی اسم رب کے الفاظ آتے ہیں وہاں ہی اسم ذات (اللہ) ہی مراد ہے۔

۱ . اِقرا باسمِ ربّک الذی خلق۔ پڑھ اپنے رب کے نام سے، جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔گویا یہ کہا گیا ہے کہ بسم اللہ کہہ کے پڑھ۔

۲ . وَمَن اَظلم ممن مَسٰجِدَ اللہ اَن یذکرَ فیھا اسمہٗ (پ: ۱ ، ع: ۱۴) اس سے بڑھ کے ظالم کونسا ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام (اللہ، اللہ) لیے جانے سے روکے۔

۳ . واذکُرُوا اسمَ اللہِ عَلَیہ (پ۶ : ع۵) اس پر اللہ کا نام بھی لیا کرو۔یعنی شکاری جانور جب شکار پر چھوڑ دو تو بسم اللہ بھی کہا کرو۔

۴. فَکُلُو مِمَّا ذُکِرَ اسم اللہ عَلَیہ.(پ:۸،ع:۱) جس جانور پر اللہ کا نام لیا جائے اس میں سے کھاؤ۔

۵. وَمَالَکُم الاّ تاکُلُو مِمَّاذُکِر اسمُ اللہ عَلَیہ.(پ:۸،ع:۱) اور کیا وجہ ہے کو اس جانور میں سے اس کا گوشت نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے

۶. واذکرِ اسمَ ربّکَ بُکُرَۃ وَّ اصِیلاَ.(پ:۲۹،ع:۲۰) اور اپنے پروردگار کا نام صبح وشام (علی الدوام) لیا کیجیے۔

اگر لفظی معنیٰ کے لحاظ سے صبح وشام ہی اللہ کا نام کا ذکر کرنا مراد لیا جائے تو صبح وشام کا مراقبہ ثابت ہوا جو صوفیائے کرام کا معمول ہے اور جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ روبقبلہ بیٹھ کر ان اوقات میں ذکر کرنا تھا اور اگر صبح وشام سے محاورۃً علی الدوام مراد لیا جائے تو صوفیائے کرام کا معمول بہ ذکر دائمی ثابت ہوتا ہے جس کا مفصل ذکر اس آیہ کریمہ میں ہے۔

وا ذکر ربک فی نفسک تضرّعا وّخیفۃ ودون الجھر من القولِ بالغدوِ والآصال ولا تکُن مِنَ الغافِلِین.(پ:۹،ع:۱۴) ترجمہ۔اپنے رب کو یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور نیچی آواز کے ساتھ صبح اور شام (علی الدوام) اور اہل غفلت میں سے نہ بن جانا۔و لا تکن من الغفلین۔ کا جملہ مبارک علی الدوام ذکر کرنے کی طرف دلالت کر رہا ہے۔یعنی ہر سانس کی رفت کے ساتھ اللہ اللہ کرتے رہنا اسی کو اصطلاح صوفیاء میں ذکرِ پاس انفاس بھی کہتے ہیں۔

تفسیر اتقان میں ہے کہ سب سے پہلے قرآن کریم کا جو حصہ نازل ہوا وہ اقرأ باسمِ ربک تھا اس کے بعد سورۃ نٓ بعد ازاں یاایّھا المزمل یعنی سورۃ مزمل شریف کا نزول ابتدائے اسلام میں اس وقت ہوا جبکہ ابھی نمازِ پنجگانہ فرض نہ تھی بالفاظ دیگر ابھی اسلام کی داغ بیل

ڈالی جارہی تھی کہ سورۃ مزمل شریف میں طریق صوفیانہ وسلوک سالکان کی تعلیم اور ساتھ ہی اس پر عمل شروع ہوگیا تھا۔ سورۃ مزمل شریف اوّل سے آخر تک پڑھ جایئے، تصوف ہی بیان فرمایا گیا ہے۔ تزکیہ وتصفیہ کے وظائف، دستور عمل سالکان، ذکر وفکر، مراقبہ وتہجد وغیرہ نہایت پیارے الفاظ میں اپنے محبوب آنحضرت ﷺ کو مخاطب فرما کر بتائے، سکھائے اور بیان فرمائے ہیں زہد وریاضت ومجاہدہ کے گر بتا کر راہِ سلوک کی تکمیل اور اعلیٰ مقامات تک کے نشانات بتائے ہیں۔ مثلاً

۱۔ رات کو جاگنے میں بڑی کوشش کرنا قرآن شریف کو ترتیل کے ساتھ پڑھنا اور تہجد کی نماز پڑھنا کہ نفس کے ساتھ بڑا جہاد ہے۔ ۲۔ دن کے وقت بھی ہر وقت اپنے مالک کی بندگی میں رہنا۔ ۳۔ اللہ کے ذکر کی مداومت کرنی اور اس کے نام سے ہمیشہ اپنی زبان کو تازہ رکھنا۔ ۴۔ سب تعلقات اور علاقوں کو کاٹنا ترک کرنا، اور تجرید حاصل کرنا۔ ۵۔ ہر دور میں اللہ پر بھروسہ اور اعتماد کرنا اور اپنی تیئں کسی چیز میں دخل نہ دینا۔ ۶۔ خلق اللہ کے ایذا وظلم کو سہنا اور اس پر صبر کرنا۔ ۷۔ اہل دنیا کی صحبت سے احتراز کرنا لیکن ان کی خیر خواہی میں قصور نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ گویا کہ سورۃ مزمل پوری درسِ تصوف ہے۔

﴿ تصوف حدیث کی روشنی میں ﴾

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو برتن حاصل کیے ایک تو میں نے تم میں تقسیم کر دیا ہے اور اگر دوسرا میں تم میں بانٹ دوں تو میرا حلقوم کاٹ دیا جائے۔ تفسیر مظہری میں ہے کو اس علم کے دوسرے برتن سے مراد علم لدنی ہے۔

حدیث عن الحسن قال العلم علمان فعلم في القلب فذالک علم نا فع وعلم اللسان فذاک حجته الله عزوجل علیٰ ابن آدم.

حضرت شیخ الحق محدث دہلویؒ اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کو علمِ نافع وہ علم ہے کہ اسکی روشنی دل میں پھیلتی ہے اور اس سے دل کے پردے اٹھتے ہیں اور علمِ زباں وہ علم ہے کہ تاثیر نہ کرے اور دل کو نورانی نہ کرے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اس کی ایک مثال دیتے ہیں اور بیان فرماتے ہیں کہ خدا کا ہر جگہ حاظر، ناظر ہونا عقائد اسلام میں ہے۔ عالم و جاہل خاص و عام اس پر اعتقاد رکھتے ہیں چونکہ عام لوگوں کو یہ علم تقلید اور استدلال سے حاصل ہوتا ہے اس لئے اس سے کوئی خاص حالت پیدا نہیں ہوتی۔ اعمال اور افعال پر اس کا چنداں اثر نہیں پڑتا۔ بخلاف اس کے تصوف میں اس مسئلے کا علم مشاہدہ و کشف سے ہوتا ہے۔ یعنی صوفی کو چاروں طرف خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس پر خشوع اور خضوع، ہیبت، خوف اور ادب کی وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جو کسی ظاہری علم سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

العلماء ورثة الانبياء (الحديث) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کو وہ علم جو انبیاؑ سے باقی رہا ہے دو قسم کا ہے ایک علم احکام اور دوسرا علم اسرار (علم باطن) وارث انبیا وہ عالم ہے یا عالم وارث وہ شخص ہے جس کو ان دونوں علوم سے حصہ حاصل ہو نہ کہ وہ شخص جس کو ایک ہی قسم کا علم نصیب ہو اور دوسرا علم نصیب نہ ہو یہ بات وراثت کے منافی ہے۔

﴿ تصوف بزرگانِ دین کی نظر میں ﴾

۱۔ حضرت معروف کرخیؒ نے یہ تعریف کی ہے۔ التصوف الا خذ بالحقائق و الياس مما في ايدي الخلائق. تصوف حقیقت کی معرفت حاصل کرنے اور ان چیزوں سے ناامید ہو جانے کا نام ہے جو مخلوقات کے ہاتھ میں ہے۔

۲۔ حضرت جنید بغدادیؒ سے تصوف کی ماہیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا۔ ان تکون مع اللہ بلا علاقۃ (عوارف: ۵۳) یہ کہ تو بغیر کسی نسبت و ظاہری تعلق کے ہر وقت اللہ کے ساتھ رہے۔

۳۔ ابوتراب النخشیؒ نے فرمایا: الصوفی لا یکدرہ شیء و یصفوبہ کل شئی.
صوفی وہ ہے جس کو کوئی چیز گندانہ کر سکے ہر چیز اس کے ذریعہ صاف اور پاک ہو جائے۔

۴۔ حضرت سہل بن عبداللہ التستریؒ نے فرمایا۔ الصوفی من صفا من الکدر و متلاء من الفکر و انقطع الی اللہ من البشر و استویٰ عندہ الذھب والمدر .
(نشاۃ التصوف) . صوفی اسے کہتے ہیں جو گندگی سے پاک ہو غور و فکر میں مصروف ہو لوگوں سے انقطاع اختیار کر کے واصل باللہ ہو اور اس کی نظر میں سونا اور مٹی کا ڈھیلہ برابر ہو

۵۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا۔ الصوفی من لا یتعبہ طلب و یز عجہ سلب (نشاۃ التصوف) . صوفی وہ ہے جو کسی چیز کی طلب میں سرگرداں نہ ہو۔ نہ کسی چیز کے چھن جانے سے غمزدہ ہو۔

۶۔ حضرت ابومحمد الجریزیؒ نے تصوف کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔ ھو الدخول فی کل خلق سنی و الخروج من کل خلق دنی (الرسالۃ القشیریہ). تصوف جملہ اخلاق فاضلہ کو حاصل کرنے اور جملہ عادات دنیوی سے چھٹکارا حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔

۷۔ حضرت ابوالحسین امزینؒ نے تصوف کی تعریف کی ہے۔ التصوف الانقیاد الحق.
اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری کا نام تصوف ہے۔

۸۔ شیخ ابوعلی روزباریؒ نے فرمایا ہے۔ الصوفی من لبس الصوف علی الصفا و اذاق الھوی طعم الجفا و لزم طریق المصطفےٰ و کانت الدنیا منہ۔

علی القفا. صوفی وہ ہے جو صفائی قلب کے ساتھ صوف پوشی اختیار کرتا ہے۔ ہوائے نفسانی کو سختی کا مزہ چکھاتا ہے۔ شرع مصطفوی ﷺ کو لازم قرار دیتا ہے۔ اور دنیا کو پس پشت ڈال لیتا ہے۔

۹۔ حضرت امام قیشریؒ (صاحبِ رسالہ قیشریہ جو تصوف پر شاید "کتاب اللمع" کے بعد پہلا رسالہ ہے) تصوف کے معنی صفائی کے لئے ہیں یعنی صفائی باطن یا تصفیہء اخلاق و اصلاح و تعمیر ظاہر و باطن اسی لئے تصوف کی تعریف یوں فرماتے ہیں۔ الصفاء محمود بکل لسانِ و ضدة الکدورة و ھی مذمومه

۱۰۔ نوریؒ نے فرمایا۔ تصوف کسی رسم و مرتبے کا نام نہیں ہے نہ کسی علم کا۔ یہ تو صرف مکارم اخلاق کا نام ہے۔ کیونکہ اگر یہ کوئی مرتبہ ہوتا تو مجاہدے سے حاصل ہو جاتا یا کوئی علم ہوتا تو تعلیم سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

﴿ منکرین تصوف کا رد ﴾

مسلمانوں میں ایک اچھا خاصہ تعلیم یافتہ طبقہ اکثر یہ کہا کرتا ہے کہ جبکہ دین کی اصل قرآن کریم موجود ہے جس کی عملی تفسیر آنحضرت ﷺ نے اپنے اسوہٗ حسنہ سے کی پھر آپ ﷺ سے صحابہؓ نے دین سیکھا اور پھر ان سے تابعین نے مگر یہ جہری و خفی اذکار، یہ باطنی اشغال یہ فنا و بقا، یہ مجاہدات و ریاضات یا اولیائے طریقت کی باطن شریعت کی تحصیل کا یہ عمل ہمیں نہ تو نبی کریم ﷺ کے اسوہ میں ملتا ہے نہ صحابہ کرامؓ کی حیات طیبہ میں بلکہ بعد کے بزرگوں نے ان چیزوں کا اضافہ کیا ہے لہٰذا مروجہ تصوف بدعت ہے۔ ایسا کہنا درست نہیں ہے اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے بدعت کے مفہوم کو متعین کرنا ہوگا یوں تو متعدد علماء نے مختلف انداز میں بدعت کی تعریف کی ہے لیکن ایک جامع تعریف یہ ہے کہ

''بدعت دین میں کسی ایسی چیز کے اضافے کو کہتے ہیں جس کی شریعت میں کوئی اصل ہو نہ دلیل'' اسے دوسرے الفاظ میں دین میں نئی بات نکالنا کہہ لیجیے۔ اس تعریف کے ضمن میں جب ہم مروجہ تصوف کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ تصوف کی اصل قرآن و حدیث اور اعمال صحابہ میں موجود ہے۔ تصوف کی تعریف پہلے گزر چکی ہے یعنی تصوف نام ہے قلب کو مخلوقات سے مکمل طور پر فارغ کر لینے نفسانی خواہشات پر قابو پا لینے، روحانی کمالات کے حصول کی کوشش اور اتباع شریعت کے ذریعہ وصول الی اللہ۔ اس تعریف کو پیش نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل آیات قرآنی پر غور فرمائیں۔

محبتِ الٰہی

والذین اٰمنوا اشدُّ حبّاللہِ (البقرۃ ۱۶۵) اور جو لوگ ایمان والے ہیں۔ ان کو سب سے زیادہ محبت اللہ سے ہوتی ہے۔

خشیتِ الٰہی

سورۃ انفال میں ارشاد ہوا۔ انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ و جلت قلوبھم و اذا تلیت علیھم ایتہ زادتھم ایماناوّعلیٰ ربھم یتوکلون (انفال: ۴)

ایمان والے تو بس وہ ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تو ان کے دل سہم جاتے ہیں۔ اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں۔ اور وہ اپنے پروردگار پر توکل رکھتے ہیں۔

تقشعر منہ جلود الذینَ یخشون ربھم ثم تلین جلودھم و قلوبھم الیٰ ذکر اللہ (الزمر ۲۳). اس سے ان لوگوں کی جلد جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں کانپ اٹھتی

ہے۔پھران کی جلداوران کے قلب اللہ کے ذکر کے لئے نرم ہوجاتے ہیں۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد واتقوا اللہ.

(الحشر ۱۸) اے ایمان والو ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لئے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔

ذکر الٰہی

الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا و علی جنوبھم (آل عمران ۱۹۱)

اور وہ لوگ جو اللہ کو ہر وقت اور ہر حالت میں یاد کرتے اور یاد رکھتے ہیں، کھڑے، بیٹھتے اور بستروں پر لیٹے ہوئے۔

فاذکرونی اذکرکم.(البقرۃ ۱۵۲). تم میرا ذکر کرو میں تمھارا ذکر کروں گا۔

الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات اعداللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما اللہ کو بہت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں اللہ نے ان کے لئے بخشش اور بہت بڑا اجر تیار کیا ہے۔

الذین اٰمنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللہ.الا بذکر اللہ تطمئن القلوب .

(الرعد.۲۸) . وہ لوگ جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے انہیں اطمینان ہوگیا۔خوب سن لو اللہ لے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو ہی جاتا ہے۔

رجال لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ . (النور ۳۷) . ایسے لوگ جنہیں نہ تجارت غفلت میں ڈال دیتی ہے نہ (خرید و) فروخت اللہ کی یاد سے۔

وَلَذِکرُ اللہ اکبر (العنکبوت ۴۵). اور البتہ یاد اللہ کی بہت بڑی ہے۔

و اذکر اسم ربک و تبتل الیہ تبتیلا.(مزمل. ۸). اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔

تسبیح و تحلیل

یاایھاالذین اٰمنوااذکرواللہ ذکرا کثیرا.وسبحوہ بکرۃ واصیلا (الاحزاب ۴۱) اے ایمان والو! اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو اور صبح، شام اس کی تسبیح بیان کیا کرو۔

واذکر ربک کثیراوسبح بالعشی والابکار. (آل عمران. ۴۱). اور یاد کر اپنے رب کو بہت اور تسبیح کر شام اور صبح کو۔

فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض و ابتغوا من فضل اللہ والذکرو اللہ کثیرا لعلکم تفلحون.(الجمعہ ۱۱) . پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے (رہو) تاکہ تم فلاح پاؤ۔

سبح اسم ربک الاعلیٰ(الاعلیٰ. ۱) . آپ ﷺ پاکی بیان کریں اپنے رب کے نام کی جو سب سے برتر ہے۔

دنیاوی محبتوں سے لاتعلقی

یاایھاالذین امنوالاتلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ (المنافقون. ۹)

اے ایمان والو! کہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں۔

اخلاقیات

ولا تستوی الحسنۃ ولا السیّئۃ ادفع بالتی ھی احسن(حٰمٓ السجدہ ۳۴)

نہیں یکساں ہوتی نیکی اور برائی۔ برائی کا تدارک اچھی (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے۔

اسکے علاوہ تصوف کے مزید کتنے ہی موضوعات ہیں جن کی ترغیب ہمیں قرآن سے ملتی ہے۔

مثلاً سحر خیزی، توکل، صبر، شکر، اخلاق حسنہ، تعلیم و تعلم، دنیاوی محبتوں سے بے تعلقی اور مجاہدہ وغیرہ۔

﴿احادیث کی روشنی میں﴾

عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ قال، قال النبی ﷺ مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر ربہ مثل الحی والمیت ۔ جو آدمی اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو آدمی اپنے رب کا ذکر نہیں کرتا۔ ان کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ یعنی اللہ کا ذکر کرنے والا زندہ اور دوسرا مردہ۔

صحیح مسلم شریف سے روایت ہے۔ کان رسول اللہ ﷺ یسیر فی طریق مکۃ فمر علیٰ جبل یقال لہ حمدان فقال سیر و. احمد ان سبق امفردون. قیل وما المفردون یا رسول اللہ؟ قال المستغرقون بذکرِ اللہ یصنع الذکر عنھم القالھم فیالون اللہ یوم القیامۃ حفا فاً. مکہ معظمہ کے سفر کے دوران حضور ﷺ ایک پہاڑ حمدان نامی کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم حمدان کی سیر کرو مگر یاد رکھو کہ ''مفردون'' سبقت لے گئے لوگوں نے دریافت کیا کہ مفردون سے آپ ﷺ کی کیا مراد ہے آپ ﷺ نے فرمایا مفردون انکو کہتے ہیں جو اللہ کے ذکر میں مستغرق ہوتے ہیں ذکر کی بدولت سے ان کے سارے بوجھ اتر جاتے ہیں اور قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور ہلکے پھلکے ہونگے۔

﴿تصوف پر اعتراضات﴾

تصوف پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ چونکہ یہ لفظ رسول اللہ ﷺ کے

زمانہ اقدس میں مروج نہ تھا لہٰذا غیر اسلامی ہے۔ اگر یہی بات ہے تو علم تفسیر، علم حدیث علم فقہ، علم البیان، علم المعانی، علم الکلام بھی غیر اسلامی ہونے چاہئیں کیونکہ نہ یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں مروج تھے اور نہ یہ علوم وفنون اس زمانے میں مرتب ہوئے تھے۔ بات یہ ہے کہ نہ علم تفسیر غیر اسلامی ہے نہ علم حدیث، نہ علم فقہ، نہ علم معرفت جسے عرفِ عام میں تصوف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ علوم وفنون آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں مرتب نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ اس قلیل عرصے میں جہاد فی سبیل اللہ میں منہمک تھے۔ تاہم عملاً صحابہ کرام بہت بلند پایہ مفسر بھی تھے، محدث بھی تھے فقیہہ بھی تھے اور خدا رسیدہ صوفیانِ باصفا بھی۔ اس وقت نہ کوئی مفسر کہلاتا تھا، نہ محدث، نہ فقیہہ، ان حضرات کے لئے سب سے بڑا اعزاز صحبت رسول اللہ ﷺ تھا اور اصحاب رسول اللہ ﷺ کہلاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بڑا اعزاز صحبت صحابہ تھا جن حضرات کو صحابہ کرامؓ کی صحبت ملی وہ تابعین کہلاتے تھے۔ صحابہ کرام کے بعد سب سے بڑا اعزاز صحبت تابعین تھا اور تابعین کے صحبت یافتہ لوگ تبع تابعین کے نام سے موسوم ہوئے اور بعد میں جب اسلامی سلطنت کی سرحدیں وسیع تر ہو گئیں اور قرب و جوار کے علاوہ دور دور تک تمام ریاستیں یا تو مسلمانوں نے فتح کرلیں یا وہ مسلمانوں کے زیرنگیں آ گئیں۔ تو اسلامی سرحدوں کی بے پناہ وسعت کے بعد جہاد کا سلسلہ کچھ عرصے تک موقوف کر دیا گیا اور مسلمانوں نے مختلف علوم وفنون اسلامیہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کی اور تحقیق کے بعد اپنے اپنے فنون پر کتابیں تالیف کیں اور ان کو باقاعدہ علوم وفنون کی صورت میں مرتب کیا جن حضرات نے خالصتاً قرآن مجید کے معانی و مطالب پر کام کیا وہ مفسرین کہلائے جنہوں نے حدیث نبوی ﷺ پر کام کیا اور اسے باقاعدہ فن کے طور پر مرتب کیا وہ محدثین کے نام

سے مشہور ہوئے جنہوں نے اسلامی قانون پر کام کیا وہ فقہاء کے نام سے مشہور ہوئے اور جنہوں نے اسلام کے باطنی وروحانی پہلو پر کام کیا وہ صوفیاء کے نام سے موسوم ہوئے۔ اب اگر چہ رسولِ خدا ﷺ کے زمانہ اقدس میں علوم کے ماہرین نہ مفسرین کہلاتے تھے نہ محدثین، نہ فقہا، نہ صوفیاء بلکہ اصحاب رسول ﷺ کہلاتے تھے تاہم صحابہ کرام علم تفسیر میں بھی ماہر تھے حدیث میں بھی اور فقہ میں بھی اور علم روحانیت یا معرفت میں بھی ماہراور کامل تھے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں جو حضرات علم تفسیر پر کام کر رہے تھے وہ دیگر علوم (علمِ حدیث ،فقہ، اور معرفت) سے ناواقف تھے۔ ہر گز نہیں بلکہ بحیثیت مسلمان عمومی طور پر وہ ان سب علوم وفنون سے آگاہ تھے۔ مگر جس ایک فن میں انہوں نے مہارت حاصل کی اسی نام سے مشہور ہو گئے لہٰذا تصوف کو غیر اسلامی فعل کہنا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ اقدس میں غیر مروّج کہنا سراسر بے بنیاد اور غلط ہے۔

اس کے ساتھ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ دین میں کونسی چیز مقصود اور مامور ہے جس کا حاصل کرنا حضور ﷺ نے ضروری قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر دین سیکھنا اور سکھانا تعلیم وتعلم مامور بہ ہے اور یہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ حضور ﷺ کے دور میں یہ کام صحبت سے حاصل ہو جایا کرتا تھا بعض اوقات تو آپ ﷺ کی ایک جنبش نظر مقدر سنوارنے اور ذرے کو آفتاب بنانے کے لیے کافی ہوا کرتی تھی اسی لئے آپ ﷺ کے دورِ سعود میں اس "تعلیم وتعلم" کے لیے کوئی مستقل نظام موجود نہ تھا نہ کتابیں لکھی گئیں نہ مدارس قائم کیے نہ تحقیقی مراکز اور نہ اکیڈمیاں۔ مگر بعد میں ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ صحبت باقی نہیں رہی بلکہ کتابوں اور مدرسوں کی ضرورت پیش آ گئی تو اللہ کے نیک بندوں نے اپنی ساری عمر اسی میں صرف کر دی انہوں نے کتابیں تصنیف کیں اور مدرسے بنائے اور یوں تعلیم وتعلم کا سلسلہ چل پڑا۔ کیا

سلف صالحین کے اس اقدام کو دین میں اضافہ کا نام دیا جا سکتا ہے؟ نہیں، اس لئے کہ دین میں اضافہ تو اس وقت ہوتا جب دینی کتب اور بنائے مدارس کو مامور بہ امر سمجھ کر انجام دیا جاتا لیکن اگر کسی ذریعے یا وسیلے کو کسی دور میں ناکافی سمجھا جانے لگے اور ضرورت محسوس کی جائے کہ امر شرعی کے حصول کے لیے دیگر ذرائع یا وسائل اختیار کیے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں جب لہجوں میں اختلاف کی بنا پر قرآن میں اختلاف ہونے لگا اور صحابہ کرامؓ نے ضرورت محسوس کی کہ قرأتِ قریش پہ سب کو جمع کیا جائے۔ تو حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس حضرتِ ابوبکر صدیقؓ کے عہد کا جمع کیا ہوا قرآن منگوا کر اسکی نقلیں کروائیں اور متعدد نقول کوفہ، مصر، شام وغیرہ کے علاقوں میں بھیج دیں تا کہ لوگ قرأت قریش پر جمع ہو جائیں۔ کیا حضرتِ عثمانؓ کے اس فعل کو بدعت قرار دیا جا سکتا ہے؟ گفتگو یہ ہے کہ کسی عمل پر "احدث فی الدین یا بدعت" کا حکم لگانے سے پہلے نہایت ضروری ہے کہ یہ جانچ لیا جائے کہ آیا یہ کام امور بہ سمجھ کر کیا جارہا ہے یا امر مامور بہ کی غرض سے۔ اس کو وسیلہ اختیار کیا گیا ہے لہذا یہ اعتراض درست نہیں ہے۔

مگر یہ بات لازم نہیں کہ ہر نیا عمل کتاب وسنت کے احکام سے متصادم ہی ہوگا۔ اگر ایسا ہو تو اس کو "بدعتِ سیئہ" کہیں گے اور اگر یہ نیا عمل احکاماتِ شریعت کے متصادم اور اضافی نہ ہو تو اسے "بدعتِ مباحہ" کہیں گے۔ اگر اس بنیادی فرق کو ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے اور ہر نئے عمل اور نئے کام کو اس کی ماہیئت، افادیت، اور مقصدیت کے تجزیئے کے بغیر بدعت قرار دیا جائے تو خلافت راشدہ سے لے کر آج تک لاکھوں شرعی واجتماعی فیصلے، معاملات اور احکامات ضلالت اور گمراہی بن جائیں گے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دینی معاملات میں اجتہاد اور استصلاح کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور وقت کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات کے

پیشِ نظر اسلام کا قابل عمل ہونا بھی ناممکن بن کر رہ جائے گا۔

بہر حال سر دست عرض کرنا یہ مقصود ہے کہ اگر کوئی عمل کتاب میں مذکور نہ ہو اور نہ امت کے رسول نے اس کا حکم دیا ہو مگر بعد ازاں امت کے علماء اور صلحاء نے ازخود کسی نئے عمل کو وضع کرلیا ہو مگر اس کا محرک فقط اور فقط رضائے الٰہی کا حصول ہو تو "انما الاعمال بالنیات" کے مصداق یہ امر بھی عِنْدَ اللہ مقبول اور باعث اجر و ثواب قرار پا جاتا ہے۔ اسی کو "بدعتِ حسنہ" یا امرِ مستحسن کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ثم قفّینا علیٰ اٰثارِھم بِرسلنا وقفینا بعیسیٰ ابن مریم و اٰتینٰهُ الانجیل و جعلنا فی قلوب الذین اتّبعوهُ رافةً ورحمة. و رهبانیةَ نِ ابتدعوها ما کتبنٰها علیهم الا ابتغآء رضوان الله فما رعوها حق رعایتها فاٰتینا الذین اٰمنوا منهم اجرهم و کثیر منّهم فٰسقون ٭ ترجمہ۔ پھر ہم نے ان کے پیچھے اسی راہ پر اپنے رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریمؑ کو بھیجا انہیں انجیل عطا فرمائی اور ہم نے ان کے صحیح پیروکاروں کے دل میں نرمی اور رحمت رکھی اور رہبانیت کی بدعت انہوں نے خود وضع کر لی تھی (ہاں) مگر انہوں نے یہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے وضع کی پھر وہ اسے نباہ نہ سکے جیسے اس کے نباہنے کا حق تھا۔ پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے (ان کے حسن عمل اور حسن نیّت کا اجر) اور ان میں سے اکثر نافرمان تھے۔ (الحدید۔ ۲۷)

سورۃ الحدید کی ان آیات سے معلوم ہو رہا ہے کہ دین عیسوی میں رہبانیت اصلاً فرض نہ تھی اور نہ ہی تعلیمات مسیح میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے۔ بعد میں لوگوں نے از خود زیادہ ریاضت، عبادت، اور مجاہدہ کے ذریعے رضائے الٰہی کے حصول کیلئے رہبانیت کی صورت پیدا کر لی جس کو قرآن نے "اِبتدعُوھَا" (اِس بدعت کو اپنا لیا) کے الفاظ سے تعبیر کیا چونکہ

یہ عمل فقط رضائے الٰہی کی خاطر تھا اسی لئے قرآنی بیان کے مطابق پروردگارِ عالم نے اسے امرِ مستحسن سمجھ کر نہ صرف قبول کرلیا بلکہ جن لوگوں نے اِس کے جملہ تقاضے پورے کئے اِنہیں اپنے اجر سے بھی نوازا اور جو اس کے تقاضوں کو پورا نہ کر سکے انہیں نافرمان قرار دیا۔ ہم نے اِس سے پہلے چند بزرگانِ دین جو خود راہِ تصوف کے شہسوار تھے اِن کے اقوال کی روشنی میں تصوف کی تعریفات پیش کیں جن سے ہمیں معلوم ہوا کہ معرفتِ الٰہی، اطاعتِ الٰہی، خشیتِ الٰہی، رضائے الٰہی، ذکرِ الٰہی، تسبیح و تحلیل، علم و عمل کی تکمیل، اخلاقیات کی تکریم تصوف کے موضوعات ہیں اور ان تمام موضوعات اور اُمور کا محرک اور بنیادی مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے اور خود قرآن اس بات پر شاہد ہے کہ خدا کی رضا اور خوشنودی کیلئے جو نیک عمل بھی کیا جائے وہ بارگاہِ خدا میں مقبول و منظور ہی نہیں باعثِ اجر و ثواب بھی ہے۔

تصوف کی ان تعریفات، تشریحات اور موضوعات کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم مروجہ تصوف کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کی اصل قرآن مجید اور اعمالِ صحابہ ؓ میں موجود ہے اور ان تمام موضوعات اور امور کی تعلیم اور تبلیغ تو خود قرآن میں ہے۔ پس تصوف نام ہے مجموعۂ شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کا۔

شریعت: احکاماتِ الٰہیہ کو ہم شریعت کہتے ہیں شریعت کا لغوی معنٰی ہے مذہبی قانون۔ شریعت کا معنٰی زادِراہ بھی ہے۔ عربی میں کہتے ہیں شرعک ما بلغک المحل۔ (تمہارے لئے اُسی قدر زادِراہ کافی ہے، جو تُم کو منزلِ مقصود تک پہنچادے)

طریقت: احکاماتِ الٰہیہ کی اتباع اور پیروی کا نام طریقت ہے۔ (جس کا مقتضا صرف

خوشنودیٔ خدا ہو۔) گویا اس زادِ راہ یعنی شریعت کے ہمراہ جس راستے پر چلا جائے، اُس کو طریقت کہتے ہیں۔

حقیقت: یہ راستہ جس مقام اور منزل تک پہنچاتا ہے، اُسے حقیقت کہتے ہیں۔ یعنی اتباعِ شریعت کی بدولت انسان جب قُربِ خُداوندی حاصل کرلیتا ہے تو وہ حقیقت ہے۔

معرفت: آغوشِ قُربِ خُداوندی میں پہنچ کر سالکِ راہِ طریقت کو جو علم حاصل ہوتا ہے، اُسے معرفت کہتے ہیں۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ شریعت اور تصوف میں کوئی مغایرت نہیں بلکہ شریعت پر عمل کرنے کا نام ہی طریقت یا تصوف ہے۔

خُدائے بزرگ و برتر نے انسان کو ایک امانت تفویض کر کے خلیفۃ اللہ کے اعزاز کے ساتھ عالم آب وگِل میں بھیجا۔ اس امانت کی حفاظت اور اعزازِ خلیفۃ اللہ کو ہر لحاظ سے ملحوظ رکھنا ہی کمال بندگی ہے اور یہ صرف تصوف ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

اب انہی تشریحات اور تعریفات کی روشنی میں ہم کتابِ ھٰذا کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہ کتاب موسوم ہے ''مصباحِ طریقت'' سے۔ یعنی یہ کتاب چراغِ راہ ہے۔ جو اتباعِ شریعت کی بدولت منزلِ حقیقت تک پہنچاتا ہے۔ اس کتاب میں موضوعات، انسانی حیات کی تخلیق و تمہید سے لے کر تکمیل تک بتدریج لئے گئے ہیں۔

ضرورتِ مُرشد: انسان جب شعور و عقل کی حدود میں قدم رکھتا ہے تو اسے صحیح نہج پر اُستوار کرنے کے لئے کسی نہ کسی راہبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ وہ ہدایت و ضلالت میں تمیز کرسکے۔

اوصافِ مُرشد:۔ وہ راہبر کون کون سے اوصاف وکمالات کا حامل ہو، تا کہ وہ راہبر اور راہزن میں فرق سکے۔

آدابِ مُرشد: اگر ایسا راہبر مل جائے۔ تو اس سے تعلق کی حیثیت اور کیفیت کیا ہونی چاہیے۔ تا کہ اس سے کما حقہٗ استفادہ کیا جائے۔

توبہ: اِن تمام مراحل کے بعد اب اگلا مرحلہ شروع ہوتا ہے کہ جب مُرشدِ کامل سالک کو منزلِ حقیقت تک پہنچانے کا آغاز کرتا ہے بزرگ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا پہلا مقام توبہ ہے۔ گویا توبہ منزلِ حقیقت کی طرف پہلا قدم ہے۔

ذکر اللہ: توبہ کے ذریعے انسان کا قلب صاف اور طاہر ہو جاتا ہے تو مُرشد سالک کو ہر دم اطاعتِ الٰہی اور عبادتِ الٰہی کا حکم دیتا ہے تا کہ کوئی لحہ بھی خُدا کی یاد سے غافل ہو کر نہ گزرے اور ہر قدم اور ہر گھڑی اللہ کی رضا اور یاد میں بسر ہو۔ اور اللہ کا ذکر سانس سے لے کر قلب تک اور قلب سے لے کر روح تک رچ بس جائے۔

اس کے بعد سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ جو اس سلسلہ کو باقی سلاسل سے مُمتاز و ممیّز کرتی ہیں۔ یہاں پر بھی یہ خصوصیات درجہ بدرجہ تحریر کی گئی ہیں۔ جو سالک کے لئے زادِ راہ ہیں۔ جن کی بدولت مختلف مقامات اور مدارج طے کرتے ہوئے سالک مقام فنافی اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔ یہاں پہنچ کر بھی سیر ختم نہیں ہوتی کیونکہ یہ مقام مقام انتہا نہیں، مقام استغراق ہے۔

؎ نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعدیؔ را سخن پایاں بمیرد تشنہءِ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

ترجمہ: نہ دوست کے حسن و جمال (ذات وصفات) کی کوئی حد ہے نہ سعدی کے عشق کی

کوئی حد ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے پیاس کی بیماری والا آدمی دریا کے کنارے بیٹھا پانی پی پی کر مر جائے اور دریا اپنی آن و بان میں اسی طرح چلتا رہے۔

وحدت الوجود کے رد کے لئے آپ نے بھی تصوف کی زبان یعنی وحدت الشھود کے ذریعے کو استعمال کیا نظریہء وحدت الوجود کے مقابل نظریہء وحدت الشھود کے استدلال میں قرآن کریم کی محکم آیات برہان قاطع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ غیر اقوام اس خارجی کائنات کی تسخیر کے لئے اپنی ساری توانائیاں صرف کر کے اس سے بھرپور فائدہ اُٹھا رہی ہیں اور اس کو مادی و فوجی مقاصد کے لئے استعمال کر کے ساری دُنیا پر برتری حاصل کر لی ہے اور وحدت الوجود والے ابھی تک اسی خیال خام میں غرق ہیں کہ کائنات دھوکہ ہے، سراب ہے اور اللہ کے سوا کُچھ بھی نہیں۔ خارج میں کچھ بھی نہیں صرف ''ہمہ اُوست'' اللہ ہی اللہ ہے

قُرآن کا تصوّر: قُرآن کا اعلان یہ ہے کہ کائنات ایک حقیقت ہے اور اس میں آدمی کا مقام یہ ہے کہ فرشتوں کو کہا گیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ قلنا للملا ئکته اسجدو الا دم فسجدوا (البقرہ ۔ ۳۴) اور انسان سے کہا کہ۔ وسخر لکم الشمس و القمر دا ئبین و سخر لکم الیلی وا لنہار (ابرا ھیم ۔ ۳۳) خُدا نے سورج اور چاند کو تمہارے لئے ہمیشہ کے لئے مسخر کر دیا ہے اور اس دن اور رات کو بھی تمہارے لئے تابع فرمان بنا دیا ہے۔ وسخر لکم الا نھا ر (ابراھیم ۔ ۳۲) اس نے دریا اور سمندر بھی تمھارے لئے مسخر کر دیئے ہیں۔ وسخر لکم مافی ا لسمٰوا ت وما فی الار ض جمیعاً منه (الجا ثیه ۔ ۱۳) اور آسمانوں اور زمین کے اندر جو کچھ اس میں ہے سب کو تمہارے لئے مسخر کر دیا (تا کہ انسان اس سے دریافت کرے اور فائدہ اُٹھائے) اور قُرآن کی رو سے کائنات اور اس میں موجود ہر چیز جن، بھوت، پری، جانور اور پرند سب انسان کی

خدمت کے لئے پابند کر دیئے گئے ہیں۔ اس طرح قرآن نے افلاطون اور اس کے زیر اہتمام تمام نظریات بشمول وحدت الوجود کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔

قرآن میں ہے۔ وما خلقنا السماء و الارض وما بینهما باطلا ۔ آسمان اور زمین کے اندر جو کچھ ہے اسے ہم نے باطل پیدا نہیں کیا۔ ذالک ظن الذین کفروا ایسا (یعنی باطل) وہ ان لوگوں کا وہم اور گمان ہے جو انکار کرتے ہیں (دوزخ سے) فویل للذین کفروا من النار۔ (ص۔ ۲۷) ''پس بربادی ہے اُن لوگوں کے لئے جو دوزخ سے انکار کرتے ہیں'' اور جو حقیقتِ ثابتہ کا انکار کر کے کائنات کو باطل بتاتے ہیں، اُن کے سعی و عمل بے کار ہیں۔ قرآن نے کائنات کے متعلق غلط زاویہ فکر رکھنے والوں کو ''انکار کرنے والا'' کہا ہے اور فرمایا ہے کہ خلق اللہ السمٰوات والارض بالحق۔ اس نے کائنات کو بالحق پیدا کیا۔ اس کا وجود فریب اور دھوکہ نہیں۔ یہ فی الحقیقت موجود ہے اور ان فی ذالک لاٰیۃ للمومنین (العنکبوت۔ ۴۴) اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ کائنات کو تماشا کہنے والوں سے کہا۔ وما خلقنا السمٰوات والارض وما بینهما لٰعبین (الدخان۔ ۳۸) ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے اندر ہے یونہی کھیلتے ہوئے پیدا نہیں کیا۔ ما خلقنٰهما الا بالحق ولٰکن اکثرهم لا یعلمون (الدخان۔ ۳۹) ہم نے انہیں بالحق پیدا کیا ہے اور یہ خیال کہ کائنات یونہی کھیل تماشا کے طور پر پیدا کی گئی ہے۔ ان لوگوں کا وہم ہے جو علم اور حقیقت سے بے خبر ہیں۔ یہ کائنات ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے اور قرآن کہتا ہے۔ ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف الیل والنهار لاٰیٰت لاولی الالباب (ال عمران۔ ۱۹۰) ''بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے

اور رات اور دن کے اختلاف میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں"
اور غور وفکر کرنے والوں کی حالت یہ ہے کہ الذین یذ کرون اللہ قیا ماً و قعو داً
جو لوگ اُٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ و یتفکر ون فی خلق السمٰو ا ت
و ا لا رض۔ اور تخلیق ارض وسماء میں انتہائی غور وفکر کرتے ہیں اور علیٰ وجہ البصیرت اس نتیجہ
پر پہنچتے ہیں کہ ربنا ما خلقت ھذا با طلاً۔ اے ہمارے رب تو نے یہ عظیم سلسلہ
کائنات باطل پیدا نہیں کیا سبحٰنک تیری ذات اس سے پاک ہے۔ (کہ تو جو چیز پیدا
کرے وہ باطل ہو) اور اگر ہم تیری تخلیق کے مقصد کے کچھ پہلوؤں سے بے خبر رہیں تو
ہمیں ہمارے عدم علم کی وجہ معاف فرما فقنا عذا ب النا ر (ال عمرا ن ۔ ۱۹۱)
اور جو لوگ کائنات کو حقیقت سمجھتے ہیں اور اس میں غور وفکر کرتے ہیں۔ ان کو قرآن نے
صاحبان عقل وبصیرت کہا ہے اور ایک مقام پر انہیں مومن کہا ہے۔ ان فی السمٰوا ت
والا رض لاٰ یٰت للمو منین (الجا ثیہ ۔ ۳) بیشک آسمانوں اور زمین میں مومنین
کے لئے نشانیاں ہیں۔ و فی خلقکم وما یبث من د آ بۃ ا یٰت لقو م یوقنون
(الجا ثیہ ۔ ۴) اور تمہاری پیدائش میں اور دیگر جانوروں کی افزائش نسل میں ان لوگوں
کے لئے نشانیاں ہیں، جو صاحب بصیرت ہیں۔ و ا ختلاف الیل وا لنہا ر وما انزل
اللہ من السما ء من رزق فا حیا بہ الا رض بعدمو تہا و تصر یف الر یح
اٰیٰت لقو م یعقلو ن (الجا ثیہ ۔ ۵) اور دن رات کی گردش میں اور بارش میں جسے خُدا
بادلوں سے برساتا ہے اور اس سے مُردہ زمین کو حیاتِ تازہ بخشتا ہے اور ہواؤں کے رُخ
کی تبدیلی میں ارباب عقل وفکر کے لئے نشانیاں ہیں۔
کائنات میں غور وفکر کی تاکید کے بعد کہا ہے تلک ا یٰت اللہ نتلو ھا علیک الحق

''یہ وہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ جنہیں خُدا حق کے ساتھ تیرے سامنے پیش کرتا ہے'' اور جو لوگ قُرآن کے اس واضح اور کھلے اعلان اور آیات کے باوجود ایمان نہیں لاتے اور بضد ہوں کہ یہ کائنات حقیقت نہیں دھوکا ہے، سراب ہے۔ تو ان سے پوچھو فبای حدیث بعد اللہ و اٰیتہ یومنون (الجاثیہ . ۶) یہ لوگ اللہ اور اس کی آیات کے بعد کس چیز پر ایمان لائیں گے۔ میری ناقص رائے کے مطابق وحدت الوجود کے رد کے لئے نظریہ وحدت الشہود کی اس قُرآنی فکر کو عام کیا جانا چاہیے۔ تاکہ ملتِ اسلامیہ کے اس فکری جمود اور انحطاط کا ازالہ کیا جا سکے۔

یہاں اس بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ اس کتاب میں فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسول ﷺ کے عنوانات تو حضور والد گرامیؒ درج فرما گئے تھے مگر اس کی تفصیل بوجہ علالت وضعف درج نہ فرما سکے۔ جن کے لئے انہوں نے بارہا مجھے حکم فرمایا کہ تم ان دو موضوعات کو تحریر کر دو مگر ان کی حیات میں مجھے قطعی جرأت نہ ہو سکی کہ ان کی فکر اور تحریر میں خود کو سمو سکوں اور ان کے وصال کے بعد بھی کافی عرصہ میں اس کام کی ہمت نہ کر سکا اور شاید یہی بات اس کتاب کی اشاعت میں تاخیر کا سبب بنی۔ بالآخر حضور والدِ گرامیؒ کی نظر کرم اور فیض سے ہمت پیدا ہوئی اور میں نے نہ صرف اُن موضوعات کو تحریر کیا بلکہ انہی کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے اس کتاب کا مقدمہ بھی لکھنے کی سعادت حاصل کی۔ مجھے اس بات کا مکمل احساس ہے کہ حضور والدِ گرامیؒ کی جدتِ فکر اور حسنِ تحریر سے مطابقت کسی طور ممکن نہیں ہے۔ مگر ان کے حکم کی تعمیل اور اس خوبصورت کتاب کی تکمیل کے لئے مجھے بالآخر یہ ذمہ داری نبھانا پڑی۔

چوتھا باب راہروانِ طریقہءِ نقشبندیہ کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے اور یہ مطالعے سے زیادہ مشاہدے اور مکاشفے سے متعلق ہے۔

پانچواں باب سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ چورہ شریف کے بزرگان اور اولیائے کرام کی سیرت و کردار کے متعلق ہے۔ جنہوں نے اپنے علم، حسن عمل اور جاذب نظر کردار سے لاکھوں گمراہان کو صراط مستقیم دکھایا اور انہیں ابدی جہنم سے بچا کر ابدی نجات کی طرف لے آئے۔ اس باب میں اسی طائفہ کے چند ایک بزرگان کی زندگیوں کی جھلک پیش کی گئی ہے اس کتاب میں موضوعات کے حُسن انتخاب کے ساتھ ساتھ تحریر کے اندر ایک خاص قسم کی جاذبیت اور دلکشی ہے۔ جو بزرگانِ رفتہ کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔ یہ کتاب دراصل حضور والدِ گرامیؒ کی شخصیت کا ہو بہو عکس ہے۔ ان کی تحریر ان کے چہرے کی طرح جاذبِ نظر، ان کی شخصیت کی طرح پُرکشش، ان کے فکر کی طرح شفاف، ان کی گفتگو کی طرح پُراثر، ان کے لہجے کی طرح سنجیدہ، ان کے مزاج کی طرح معتدل، ان کے کردار کی طرح راسخ اور ان کے اخلاق کی طرح سنتِ نبوی ﷺ کی جھلک ہے اور جس طرح ان کی حیاتِ بابرکات لوگوں کیلئے مرکزِ فیض تھی اسی طرح یہ کتاب بھی انشاءاللہ عوام کے لئے باعثِ فیض ہوگی۔

؎ دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات تھی سراپا دین و دُنیا کا سبق تیری حیات

بارگاہِ ایزدی میں یہ دُعا ہے کہ یہ کتاب قبلہ والدِ گرامیؒ کے لئے باعثِ اجر و توشۂ حشر بنے اور ہمارے لئے ذریعہ فیض و ہدایت بنے اور ہمارے اخلاق و کردار کو مزین کرنے کا موجب ہو (آمین)

صاحبزادہ اسد اللہ شاہ غالب
آستانہ عالیہ چورہ شریف۔ ضلع اٹک
churasharif@yahoo.com

پہلا باب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

تخلیق آدم سے قبل ارض وسماء کیا پوری کائنات وجود میں

آ چکی تھی لیکن اللہ جل شانہ' کی طرف سے اس زمین پر کسی کو بھی خلافت کیلئے نامزد نہ کیا گیا

تھا۔ کیونکہ یہ بار کسی کو اٹھانے کی ہمت واستطاعت نہ تھی۔ ہر ایک اس بار گراں کو اٹھانے

سے معذوری ظاہر کر چکا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَا عَرَضْنَا الا ما نة علی السموات والارض و الجبال فابین ان یحملنھا

واشفقن منھا و حملھا الا نسان ط(الاحزاب ۷۲). ترجمہ۔ ہم نے اپنی

امانت زمین اور آسمان اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی لیکن انہوں نے اسے اُٹھانے سے

معذوری ظاہر کر دی۔ اور ڈر گئے۔ مگر انسان نے اُسے اٹھالیا۔

؎ مقام شوق تیرے قدسیوں کے بس کا نہیں انہیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین پر اپنا ایک نائب مقرر کرنا چاہتا ہوں

فرشتوں نے انسان کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کیا۔ اور عرض کیا کہ یا

باری تعالیٰ یہ تو زمین پر فساد برپا کرے گا۔ اس پر اللہ جل شانہ نے فرمایا۔ کہ جو کچھ میں

جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے احسن تقویم سے آدم کو تخلیق فرما کر اُسے

خلافت الٰہیہ تفویض فرمادی۔ آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر اُنہیں جنت مقام کر دیا۔ لیکن

کچھ عرصہ بعد آدم وحوا کو جنت سے نکال کر زمین پر اُتارا گیا۔ اُن کے آباد ہونے کے بعد

جب اُن کی اولاد کا سلسلہ شروع ہوا تو آبادی میں اضافہ ہونے لگا۔ اور اس طرح ایک سوسائٹی وجود میں آنے لگی۔ لازمی تھا کہ اس معاشرہ یا سوسائٹی کیلئے کوئی قوانین وضوابط موجود ہوں۔ تاکہ اُن کے درمیان کوئی افراتفری پیدا نہ ہو۔ وہ لوگ خود بھی تہذیب ومعاشرت کے خدوخال مقرر کر سکتے تھے۔ لیکن انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ دیا گیا تھا۔ اس لیے اس افضل مخلوق کیلئے افضل ترین، ابدی اور لازوال قوانین وضوابط کی ضرورت تھی۔ نقائص سے پاک ضابطہء حیات انسانی عقل وفہم سے باہر تھا۔ کیونکہ انسانی عقل دھوکا کھا سکتی ہے بہک سکتی ہے۔ آئندہ پیش آنے والے واقعات وحالات کی اس قدر صحیح طور پر پیش بندی نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات کی رہنمائی اور پیشوائی کے لیے ایسی برگزیدہ ہستیوں کو دنیا میں مبعوث فرمایا۔ کہ جن سے گناہ وخطا ممکن ہی نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو علم عطا فرمایا گیا۔ حضرت جبرائیل کے ذریعے وحی کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو سب سے آخر میں خاتم النبیین بنا کر اس دنیا میں بھیجا اور اُن پر دین کی تمام جزئیات کو ظاہر فرما کر دین کی تکمیل کا اعلان فرما دیا۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے ساتھ نبوت کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند فرما دیا۔ اب کسی بھی نبی کی آمد کا امکان ہی نہ رہا اس لئے اب کارِ نبوت یعنی تبلیغِ دین اور حفاظتِ دین کا کام اللہ تعالےٰ کی محبوب مخلوق یعنی اولیاءِ کرام کی ذمہ داری میں آ گیا۔ اب وہی لوگ مبلغ ومحافظ ٹھہرے اور وہی لوگ ہی علومِ نبوت اور کمالاتِ نبوت کے وارث ہیں ان میں کمالاتِ نبوت کے ساتھ ساتھ کمالاتِ ولایت بھی عطا فرمائے جاتے ہیں۔ کیونکہ زمین وآسمان سے ہر کسی نے امانتِ الٰہی (احکامِ الٰہی، دستورِ شریعت) کو اٹھانے سے معذوری ظاہر کی اور صرف انسان نے ہی یہ عظیم ذمہ داری اپنے

سر لے لی۔ تو وہ یقیناً ہر دو عالم سے بہتر ہو کر اشرف المخلوقات ٹھہرا۔ بس اسی منصبِ جلیلہ کے احساس اور اس کی دیانتدارانہ پیروی سے انسان خلیفۃ اللہ کہلانے کا صحیح معنوں میں حقدار بنتا ہے۔ اسی لئے کارِ نبوت کو جاری رکھنے کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے

اے ز آداب امانت بے خبر ۔۔۔۔۔۔ از دو عالم خویش را بہتر شمر

لہٰذا دین کی تبلیغ کا کام اولیاء کرام کے ذمہ ہوا ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر ۔(ال عمران ۱۰۴) ولایت نبوت ہی کے فیض کا ثمر ہے۔ ہر طرح کے کمالات کے سوتے چشمہ نبوت سے پھوٹتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ اکابر اسلام یعنی صحابہ کبار تابعین تبع تابعین اور اولیاء کرام کس طرح مومنین کو عرفان کی منازل طے کراتے رہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ حضرت اجمیریؒ۔ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ۔ جناب نظام الدین اولیاءؒ۔ خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ۔ خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ وغیرہ حضرات نے لوگوں کو جس کثرت سے ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ اُسکی مثال کسی اور قوم میں نہیں مل سکتی۔ اس لیے کہ صاحب نظر کے بغیر یہ تعلیم نہیں حاصل کی جا سکتی روحانیت کے بغیر دین اسلام بے روح شے کا نام ہوگا۔ لہٰذا وقت کی اہم ضرورت کے پیشِ نظر زیادہ سے زیادہ لوگ اولیاء کرام کی طرف متوجہ ہو کر سرچشمہء حقیقت سے فیض یاب ہوں۔ اور ادنٰی درجہ پر ہی قناعت نہ کر بیٹھیں۔ بلکہ ''ھل من مزید'' یا خوب سے خوب تر کی جستجو میں قدم آگے بڑھائیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابع کمال محبت کے باعث بلکہ محض عنایت و بخشش سے اپنے متبوع کے تمام کمالات کو

جذب کر لیتے ہیں۔اور پورے طور پر رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔یہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کو مرتبہ محبوبیت اور رتبہ عبودیت جیسے بلند ترین مراتب میں سے عطا ہوتا ہے۔
حضرت امام ربانی" فرماتے ہیں۔کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا ہے۔کہ ہم عالم ارواح میں سے ہیں۔حق تعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرتِ کاملہ عطا فرمائی ہے۔کہ اجسام کی صورت متمثل ہو کر وہ کام جو جسم سے وقوع پذیر ہوں ہماری ارواح سے صادر ہوتے ہیں مثلاً جسمانی حرکات وسکنات وعبادات وغیرھم۔مکتوب نمبر ۱۵۸/ ۲ میں فرماتے ہیں۔کہ اکمل اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ یہ قدرت کاملہ عطا فرماتا ہے۔کہ وہ بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔اسی طرح اپنے ایک اور مکتوب نمبر ۲۹۱ صفہ ۱۱۰ حصہ پنجم میں یوں ارشاد فرماتے ہیں" جب ارشاد و پناہی قبلہ گاہی کے رحلت فرما جانے کے بعد مزار شریف کی زیارت کی تقریب پر جلوہ عروسہ دہلی جانے کا اتفاق ہوا۔اور عید کے دن ان کے مزار مبارک کی زیارت کیلئے گیا۔تو مزار کی جانب توجہ کرنے کے دوران اُن کی روحانیت مقدسہ سے پوری توجہ ظاہر ہوئی اور کمال غریب نوازی سے اپنی وہ نسبت خاصہ مرحمت فرمائی جو حضرت خواجہ احرارؒ سے منسوب تھی۔ایک اور مکتوب میں محبوبِ سبحانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"۔یہ حالت ایک مدت تک رہی پھر اتفاقاً ایک ولی اللہ کے مزار کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا اور اس معاملہ میں اُس صاحب مزار ولی اللہ سے میں نے مدد و اعانت طلب کی۔چنانچہ اُسی وقت اللہ جل شانہٗ کی عنایت شامل حال ہوگئی اور معاملہ کی حقیقت پورے طور پر ظاہر ہوگئی اور عین اُس وقت خاتم المرسلین رحمت اللعالمین ﷺ کی روح مبارک جلوہ گر ہوگئی اور میرے غمگین دل کو تسلی فرمائی مکتوب ۲۳۰ صفہ ۱۳۱۔

انبیاء علیہ السلام اور اولیاء کرام کا اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاعت کرنا حق ہے چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوب ۶۷ صفحہ ۲۵ دفتر دوم حصہ پنجم میں فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہ والسلام وصالحین کی شفاعت حق ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کے اذن سے پیغمبر گنہگار مومنوں کی شفاعت کریں گے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔کہ میری شفاعت میری امت میں کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہوگی۔

اولیاء اللہ روحانی معالج ہیں۔جناب مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں کہ طالبوں کی تربیت اُن کی صحبتِ علیہ پر موقوف ہے اور ناقصوں کی تکمیل اُن کی توجہ شریفہ پر منحصر ہے۔اُن کی نظر امراض قلبی کو شفا دیتی ہے اور اُن کی توجہ باطنی بیماریوں کو دور کر دیتی ہے. هُمْ قَوْم'' لَا یَشْقیٰ جَلِیْسُهُم۔یعنی یہ ایسی قوم ہے جن کا ہم نشین بدنصیب نہیں۔وَھُمْ جُلَسآ ءِ اللّٰه۔یہ لوگ اللہ کے ہم نشین ہیں۔بِهِمْ یُمْطَرُوْنَ وَ بِهِمْ یُرْزَقُوْن۔(بخاری شریف)۔انہیں کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور انہیں کی برکت سے رزق ملتا ہے۔ان کی ایک توجہ سو چلّوں کا کام کرتی ہے اور ان کی ایک نگاہِ التفات کئی سالوں کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے برابر ہے۔

اولیاء اللہ کی دعا سے تقدیر بھی بدل سکتی ہے۔حضرت محبوب سبحانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوب ۲۱۷ صفحہ ۱۳۴ میں فرماتے ہیں۔کہ حضرت قبلہ گاہی فرمایا کرتے تھے۔کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے بعض رسائل میں فرمایا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی کو تبدیلی کی مجال نہیں مگر مجھے۔اگر چاہوں تو تصرف کروں۔میں اس بات سے بہت تعجب کیا کرتا تھا کہ ان کا فرمان بعید از فہم تھا۔طویل عرصہ تک یہ خیال میرے دل میں قائم رہا۔حتیٰ کہ حضرت حق نے مجھے بھی اس دولت سے مشرف فرمایا۔حضرت شیخ احمد

سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یاد رکھ فقیر کے آستانے کی جاروب کشی اغنیاء کی صدر نشینی سے بہتر ہے۔ دین اسلام کے مطابق عقائد رکھنا اور عبادات کی ادائیگی کی اصل غرض و غایت وصل الٰہی ہے۔ جس کے لئے تزکیہ نفس ضروری ہے۔ چنانچہ غوث المحققین محبوب سبحانی امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ رب العزت کی نعمتوں کے ادائے شکر کا پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے عقائد فرقہ ناجیہ اہلِ سنت والجماعت کی آراء کے مطابق صحیح اور درست رکھے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس بلند گروہ یعنی اہل سنت والجماعت کے مجتہدین کے مسلک کے مطابق احکام شریعت بجالاتا ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے۔ کہ بلند درجات کے حامل صوفیاء کے سلوک کے موافق اپنے نفس کا تصفیہ کرے۔ کیونکہ راغب الی اللہ رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ معصیت سے پاک کر دیتا ہے۔ اسی طرح حضرت سرہندی علیہ رحمتہ نے ایک اور جگہ یوں فرمایا ہے کہ ان دو امور میں پختہ ہو جاؤ۔ ایک تو صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مطابقت اور دوسری شیخِ طریقت سے محبت واعتقاد۔ آگاہ رہیں التجا اور تضرع کریں۔ کہ اِن حالتوں میں فتور نہ آنے پائے۔

ضرورتِ مرشد

دنیا میں جو چیز بھی بنائی گئی ہے۔ اُس کے پیچھے کوئی مقصد
ضرور کار فرما رہا ہے۔ بلا مقصد کسی چیز کی تخلیق نہیں ہوئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کلام مجید
میں فرمایا ہے۔ وما خلقت الجن والا نس الا لیعبدون (الذاریٰت ۵۶)
(ترجمہ) ہم نے جن اور انسان کو صرف عبادت کے لئے تخلیق کیا۔
یعنی تخلیق آدم کا مقصد ہی عبادت ہے۔ ہر وہ کام جس کے کرنے میں رضائے الٰہی مقصود ہو
عبادت کہلا تا ہے۔ اور جو چیز جس مقصد کے لئے بنائی گئی ہو۔ اور وہ اپنا مقصد پورا نہ
کرے۔ تو اُسے بے کار اور فضول تصور کیا جاتا ہے۔ اگر بلب روشنی نہ دے۔ تو اُسے بلب
کہنا فضول ہے۔ اسی طرح جو چیز جس مقصد کے لئے بنائی گئی ہو۔ اُس کی اپنے مقصدِ
تخلیق کی بجائے دیگر استعمال نری حماقت اور کم عقلی ہوگی۔ بلب کو گوشت کاٹنے کے لئے
ہرگز استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ایسا فعل کرنے والا احمق ہوگا۔ اس لئے جب انسان کی
تخلیق کا مقصد ہی عبادت ہے۔ رضائے الٰہی ہے۔ تو جب وہ اپنے مقصد تخلیق کو پورا نہ
کرے اور نا مناسب طور پر استعمال ہو۔ تو پھر اُسے انسان کہنا انسانیت کی توہین ہے۔ مگر
عبادت معرفت کے بغیر ممکن و مناسب نہیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ کے مطابق اس آیتِ
کریمہ میں "لیعبدون" بمعنٰی "لیعرفون" استعمال ہوا ہے۔ گویا عبادت و بندگی کی اصل

معرفتِ الٰہی ہے۔ معرفت میں جس قدر اضافہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا قرب اُسی قدر زیادہ ہوگا ۔ یوں قربِ الٰہی حاصل کر کے انسان انسانیت کے کمال تک پہنچ سکتا ہے۔ اور تخلیق کا مقصد پورا کرسکتا ہے۔ لیکن معرفت حاصل کرنے کیلئے کسی رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔

جسے عرفِ عام میں **شیخ** کہا جاتا ہے۔ دورِ حاضر میں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ فی زمانہ شیخ کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ کتاب وسنت خلق کی رہنمائی کیلئے کافی ہیں۔ اگر ہدایت کے لیے صرف قرآن ہی کافی تھا تو پھر قرآن کی موجودگی میں نبی یا رسول کی کیا ضرورت تھی۔ چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو جس طرح رسول اکرم ﷺ کی ضرورت تھی اور رسول ﷺ کے بغیر ہدایت ناممکن تھی۔ اب بھی نائب رسول ﷺ کے بغیر ہدایت ناممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کتابی علم کے ساتھ معلم کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ خاتم النبیین ﷺ کے نائبین اولیاء کرام ہیں۔ جو کہ ظاہری تعلیم کے ساتھ ساتھ باطنی توجہ سے تزکیۂ نفس بھی کروا کر طالبانِ حق کو عرفان کی اعلیٰ منزل تک لے جاتے ہیں لہٰذا سرچشمہ حقیقت سے تب ہی فیض یاب ہوا جاسکتا ہے۔ جب کہ اولیاء کرام کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کی جائے۔ گو آج کے دور میں نقالی کی کثرت ہے۔ اصل وخالص شے کا دستیاب ہونا مشکل امر ہے۔ لیکن ''جوئندہ یابندہ'' اسی طرح کسی چیز کا غلط اور نقصان دہ استعمال اُس کی افادیت اور اہمیت کو کم نہیں کرسکتا۔

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جس کا کوئی امام نہ ہو شیطان اُس کا امام ہوتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ فرماتے ہیں آیت۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ (المائدہ ۳۵) میں وسیلہ سے مراد ارادت وبیعتِ مرشد ہے۔ جناب قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

نے ارشاد الطالبین میں فرمایا ہے کہ کمالات باطنی حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اس لئے پیر کامل کی تلاش بھی ضروریات دین میں سے ہے۔ کیونکہ وصول الی اللہ پیر کامل کے بغیر نادرات میں سے ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ جیسے بلند پایہ امام اور فقیہ حلاوت ایمان کی دولت کے لیے حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ کی محافل اور مجالس میں جایا کرتے تھے۔ جو شخص بھی امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے احکام شریعت دریافت کرنے آتا تو خود بتا دیتے تھے لیکن جب کوئی شخص راہ حقیقت دریافت کرنے آتا تو آپ اسے حضرت شیخ بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بھیج دیتے تھے۔ یہ دیکھ کر ان کے شاگردوں کو غیرت آئی اور عرض کیا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہو کر لوگوں کو ایک صوفی کے حوالہ کیوں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ کے احکام کا علم ہے اور ان کو خود اللہ کا علم ہے۔ اس لئے طالبان حق کو ان کے پاس بھیجتا ہوں۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ شیخ کامل کی تلاش کرنا چاہئے۔ نیز فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس امت کے اولیاء اللہ کی صحبت میں زندگی گزارتے ہیں وہ رزائل سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طالب اولیاء اللہ کی کیمیا خاصیت صحبت کے طفیل اتباع سنت کا رستہ اختیار کر کے یُحببکم اللہ کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ جناب غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درویشوں کے پاس امتحان کے ارادہ سے ہرگز نہ جانا چاہیے کیونکہ سراسر بے ادبی اور گستاخی ہے اور بے ادب کبھی مقصود حاصل نہیں کر پاتا اور فیض و برکت سے محروم ہی رہتا ہے۔ بزرگانِ دین کی زیارت محض رضائے الٰہی کی خاطر کرنا چاہئے تاکہ گوہر مقصود حاصل ہو۔

جناب شیخ سرہندی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب ۱/۱۵۷ میں فرمایا ہے کہ گروہ اہل

اللہ کی خدمت میں خالی ہو کر آنا چاہیئے۔ تاکہ پُر ہو کر واپس لوٹے اور اپنی افلاس اور محتاجی کا اظہار کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہ اس پر شفقت اور مہربانی فرمادیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ رات میں حضرت خواجہ املنگی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے جارہا تھا۔ کہ راستے میں ایک کانٹا چبھ گیا۔ حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اُس تکلیف کا ذکر کیا۔ جو رستے میں پیش آئی تھی۔ اس پر حضرت خواجہ املنگی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے دوست جب تک کانٹا نہ چبھے پھول ہاتھ نہیں آتا۔ اسی طرح حضرت امام ربانیؒ نے فرمایا ہے۔ کہ اپنے وقت کی قدر جانو جس نے کہا کہ یہ کام بھی کرلوں گا۔ ایسا کہنے والے ہلاک ہو گئے۔ میرے عزیز جس قدر جلد ہو سکے۔ اپنے رب کو راضی کرلے۔ جو وقت گزر گیا ہاتھ نہ آئے گا۔ تیری سوچ تو کل تک ہے۔ حالانکہ تجھے آج کی بھی خبر نہیں۔ اگر تھوڑی محنت کرے گا۔ تو ہمیشہ آرام پائے گا۔ تھوڑی سی نیکی کر کے بہت سی برائیوں کا کفارہ ادا کرسکتا ہے۔

انسان جسم اور روح کا مرکب ہے۔ جسمانی توانائی کو برقرار رکھنے کیلئے مختلف مقوی غذا اور ادویات کسی ماہر و مستند معالج کی زیرِ ہدایات استعمال کی جاتی ہیں۔ دیگر ذرائع استعمال کر کے بھی جسم کی قوت کو بحال رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ معمولات زندگی درہم برہم ہونے سے زندگی عدمِ توازن کا شکار نہ ہو جائے اور اعضاء میں کسی قسم کا کوئی خلل واقع نہ ہو۔ اسی طرح روح کی توانائی واصلیت اور حقیقت کو بحال رکھنے کے لئے روحانی علاج و معالج کی بھی شدید ضرورت ہے۔ روحانی علاج ذکرِ الٰہی ہے۔ جو کہ کسی ماہر و مستند معالج یعنی شیخِ کامل کی زیرِ نگرانی ہی کرایا جاسکتا ہے۔ بصورت دیگر ہر دو علاج نقصان دہ ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے مرشد کامل کی تلاش کرنا چاہیئے۔ شیخ کی صحبت کا صحیح اور پورا فائدہ اُس سے

بیعت کے بعد ہی اٹھایا جا سکتا ہے۔ اگر بیعت کرنے والا اپنے عہد پر مضبوطی سے قائم رہے تو اللہ رب العزت کی طرف سے انعامات و مراتبِ فاخرہ سے نوازہ جاتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں۔ ان الذین یبا یعونک انما یبا یعون اللہ ط ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علٰی نفسہٖ ومن اوفیٰ بما عھد علیہ اللہ فسیو تیہ اجراً عظیماً (الفتح ۱۰)۔ ترجمہ۔ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ تو جس نے عہد توڑا تو اس نے اپنے برے عہد کو توڑا۔ اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں

؎ بر را بگزیں کہ بے پیرایں سفر　　　　ہست بس بہر آفت وخوف خطر

حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ لوگ حضور اکرم ﷺ سے کبھی ہجرت، کبھی جہاد، کبھی اقامت ارکان اسلام یعنی صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ اور کبھی معرکۂ کفار میں ثبات وقرار پر بیعت کیا کرتے تھے۔ اسی طرح کبھی سنت نبی ﷺ کے تمسک پر اور بدعت سے بچنے اور عبادت کے حریص ہونے پر بیعت کیا کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے انصاریوں کی عورتوں سے نوحہ نہ کرنے کی بیعت لی۔ اسی طرح محبوب حق تعالیٰ نے چند محتاجوں جو کہ مہاجرین میں سے تھے دستِ سوال دراز نہ کرنے پر بھی بیعت لی۔ بلا شبہ جب کوئی فعل حضور اکرم ﷺ سے بطریق عبادت اور اہتمام کے ہو اور بصورت عادت نہ ہو تو وہ فعل سنتِ نبوی سے کم تر نہیں ہے۔ چونکہ امور مذکورہ کا بیعت لینا بطریق عبادت تھا۔ اس لئے بیعت کے مسنون ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ

فرماتے ہیں ''اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اگر رسول ﷺ سے کوئی ایسا فعل ثابت ہو جو آپ نے بطور عبادت کے کیا اور آپ نے اس کے متعلق خاص اہتمام فرمایا تو وہ فعل سنت سے کم درجہ کا نہیں سمجھا جائے گا۔ اب صورت یہ ہے کہ رسول ﷺ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے اور اس نے قرآن میں جو کچھ نازل فرمایا۔ اس کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ نیز آپ قرآن وسنت کی تعلیم دیتے تھے اور اپنے پیروؤں کے اخلاق سدھارتے تھے چنانچہ اللہ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے جو کچھ آپ نے کیا وہ بعد میں آپ کے خلفاء کے لیے سنت بنا اور جو حیثیت قرآن اور حکمت کے معلم ہونے اور امت کے اخلاق سدھارنے کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے جو طریقہ اختیار فرمایا وہ بعد میں علماء راسخین کے لیے سنت بنا''۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بیعت فقط قبول خلافت وسلطنت پر ہی منحصر ہے اور اصفیاء جو اہلِ تصوف سے بیعت لیتے ہیں۔ اُس کی کچھ بنیاد نہیں ہے حالانکہ دلائل مذکورہ بالا کے مطابق یہ خیالات وگمان فاسد ہیں۔ نوحہ نہ کرنے' امرِ خدا میں کسی ملامت گر کے ڈر سے نہ ڈرنے' حق بات کہنے' دستِ سوال دراز نہ کرنے' صوم وصلوٰۃ ودیگر امور پر بیعت لینا یہ سب تزکیہ نفس اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ' نے فرمایا ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیعت کی۔ اس بیعت کا مقصد صرف امور دنیا ہی نہ تھا بلکہ کمالات باطنی کا حصول بھی تھا۔ بیعت کی چند اقسام ہیں۔ بیعتِ خلافت۔ بیعتِ اسلام بیعتِ تقویٰ۔ بیعتِ ہجرت وجہاد وغیرہ۔

بیعت اگر چہ زمانہ نبوت میں مختلف امور کے واسطے تھی ۔مگر اب تو صرف ایک ہی مقصد کی خاطر کی جاتی ہے۔یعنی بیعتِ توبہ جو افادیت کے لحاظ سے ہرگز کم تر نہیں دیگر اقسامِ بیعت بوجہ ترک ہو چکی ہیں۔

بلا عذر دوسرے مرشد سے تکرار بیعت درست نہیں ہے۔ ہر جگہ بیعت کرنا برکت کھو دیتا ہے ۔ اُسے ہر جائی اور خود غرض سمجھ کر مرشد ایسے شخص پر توجہ نہیں فرماتے اور یہ تعلیم وتربیت سے کما حقہ بہرا ور نہیں ہو سکتا۔ مرید بیعت کرتے وقت اپنے شیخ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گواہ بنا کر آئندہ کیلئے احکام شریعت صحیح طور پر بجا لانے کا اقرار کرتا ہے۔ اپنے سابقہ گناہوں سے صدق دل سے توبہ کرتا ہے ۔ شیخ کامل سے وابستہ ہونے اور بیعت حاصل کرنے کے بعد طالب کا مرید بن جانا آسان سا عمل ہے۔لیکن با مراد ہونا مشکل امر ہے۔جس طرح زمین کو کاشت کرنے سے پہلے اُس میں ہل چلا کر اُسے نرم کیا جاتا ہے۔ پھر کھاد ڈال کر بیج بویا جاتا ہے۔گرمی سردی سے بچاؤ کی تدابیر فصل پکنے پر اُس کی حفاظت پھر کٹائی اور صفائی کے بعد اُسے استعمال میں لایا جاتا ہے۔اسی طرح اپنے شیخ کے سکھائے ہوئے طریقِ کار کو اپنا کر طویل اور کٹھن راستوں سے گزر کر سردی گرمی بھوک پیاس و دیگر صعوبتیں برداشت کر کے مرید مراد کو پہنچتا ہے۔ جب تک ماچس کو سلگا یا نہ جائے نہیں سلگتی ۔آگ نہیں جلتی ۔اسی طرح بیعت کے بغیر کام نہیں بن سکتا۔ بیمار معالج کے پاس جاتا ہے۔تو معالج دوا تجویز کرتا ہے اور دوا کے ساتھ پرہیز کی بھی ہدایت کرتا ہے۔اگر مریض دوا تو کھالے مگر پرہیز نہ کرے۔تو ظاہر ہے کہ کچھ افاقہ نہ ہوگا۔دوا کا اثر بھی نہ ہوگا۔مرید کا معالج اُس کا شیخ ہے۔دل کا گرد وغبار صاف کرنے کے لئے شیخ دوا کے طور پر نماز، روزہ دیگر واجبات وسنن کی پابندی کی تاکید کرتا ہے۔پرہیز میں حرام رزق؛

بری مجالس' شرک۔ جوا' جھوٹ' غیبت' چوری' چغلی' مکروفریب' دھوکہ دہی' بدکاری' فحاشی و دیگر ممنوعات ونواہی سے مکمل اجتناب بلا ضرورت کلام نہ کرنے' اپنی نظروں کو جھکائے رکھنے' حقوق اللہ وحقوق العباد وغیرہم کی سختی سے تلقین کرتا ہے کیونکہ یہ سب کام انسان کے بس میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسے کاموں کا مکلف نہیں ٹھہرایا جو کہ اُس کی وسعت سے بالاتر ہوں۔ لا یکلّف اللہ نفسا ً الّا وسعھا. (البقرۃ ۲۸۶)

اس لئے انسان اگر چاہے تو شیطان کے جال سے بچ سکتا ہے۔ جو ان ممنوعات سے بچ گیا وہ مراد کو پہنچ گیا اور وہ صحیح معنوں میں مرید بن گیا۔ فیض وبرکت اُس کے لئے عام ہے۔ اُسے چاہیئے کہ اپنے شیخ کے عنایت کردہ وظائف کی پابندی کرے۔ یہ شیخ کی مرضی پر منحصر ہے۔ کہ وہ طالب کی استطاعت دیکھ کر اُس کے لئے کیا کچھ تجویز کرتا ہے۔

قال را بگذار و مردِ حال شو   پیشِ مردِ کاملے پامال شو

ترجمہ۔ فنا و بقاء کے زبانی جمع خرچ کو چھوڑ کر قال کے بجائے حال حاصل کرو اور یہ کام اس وقت حاصل ہوسکتا ہے کہ تم مردِ کامل کے پاؤں کی خاک بن جاؤ گے۔

اوصافِ مرشد

؎ کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ باشد در نوشتن شیر شِیر

پاک لوگوں کے حال کو اپنے حال کے مطابق نہ سمجھ اگرچہ شیر شِیر دونوں الفاظ لکھنے میں تو یکساں ہیں۔ لیکن پہلا لفظ ایک درندے کا نام ہے۔ جس کو انسان دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے لفظ کا معنیٰ دودھ ہے۔ جس کو چھوٹا بچہ بھی پی جاتا ہے۔ پس صورتِ ظاہری پر نظر نہ رکھ۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے تاجدار حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ ولی کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے امر و نواہی کے مطابق صبر کرے اس لئے کہ جس دل میں اللہ تعالیٰ کی دوستی جس قدر زیادہ ہوگی۔ اتنی ہی اُس کے حکم کی دل سے تعظیم کرے گا۔ حضرت ابو علی جرجانی فرماتے ہیں کہ ولی وہ ہے۔ جو اپنے حال میں فانی ہو اور مشاہدۂ الٰہی میں بھی فانی ہو۔ اُسے ممکن ہی نہ ہو کہ وہ حال کی خبر دے۔ اور نہ اُسے غیر اللہ سے قرار و سکون میسر ہو۔

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے مکتوب ۲۲۴ میں فرماتے ہیں شیخ بننے اور حق کی طرف دعوت دینے کا مقام بہت بلند ہے۔ الشیخ فی قومہٖ کا النبی فی امتہ. یعنی شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے۔ جیسے نبی امت میں۔ چونکہ مرشد نے مرید کو مشروعات کا امر کرنا اور خلافِ شرع امور سے روکنا ہوتا ہے اس لئے مرشد کی علمِ دین سے واقفیت

ضروری ہے اگر شیخ خود ہی امورِ دینیہ سے واقف نہ ہو تو وہ اپنے مرید کی رہنمائی کیونکر کر سکے گا۔ چنانچہ ایسے شیخ کی تلاش کرے جو کہ عالم دین ہو۔ ظاہری طور پر شریعتِ مطہرہ پر عمل کرتا ہو۔ متقی و پرہیز گار ہو۔ صحیح العقیدہ مسلمان ہو۔ فسق و فجور میں مبتلا نہ ہو۔ جس کا سلسلہ طریقتِ بیعت صحیح اور کامل واسطہ سے حضور اکرم ﷺ تک ملتا ہو۔ تلاش مرشد کے سلسلہ میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ اوصافِ حمیدہ کے حامل مرشد سے بیعت حاصل کرنا چاہئے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ تو جانتا ہے کہ پیر کون ہے؟ پیر وہ ہے۔ جس سے تو خدا تعالیٰ پاک جناب کی طرف پہنچنے کا رستہ دیکھے اور اس راستہ میں تو اس سے مدد و اعانت حاصل کرے۔

اس امر کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے کہ اس دنیا میں آپ کو ایسے بے شمار لوگوں سے واسطہ پڑے گا۔ جو بظاہر درویش صورت نظر آئیں گے۔ لیکن حقیقت اس سے بالکل برعکس ہو گی۔ راہبروں کے لباس میں رہزن ملیں گے۔ آپ کو مسندِ ارشاد کی زیب و زینت بنے کئی ایسے لوگ بھی ملیں گے جن کا دامن علم و حکمت اور تقویٰ و فراست سے بالکل خالی ہو گا۔ بعض لوگ اندھی عقیدت ' لاعلمی اور جہالت کی بنا پر قرآن و سنت کی کسوٹی پر بغیر پرکھے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیتے ہیں۔

؎ اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　　پس بہر دستے نہ باید داد دست

حضرت بایزید بسطامیؒ کا ارشاد ہے ''جو شخص اتباعِ سنت کے بغیر خود کو صاحبِ طریقت کہتا ہے وہ کاذب ہے۔ کیونکہ اتباع شریعت کے بغیر طریقت کا حصول ممکن نہیں''۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''پیر وہ ہے جو مرید کی حق سبحانہٗ کی طرف راہنمائی کرے۔ یہ بات تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور زیادہ واضح تر ہے۔ کیونکہ پیر تعلیم

شریعت کا استاد بھی ہے اور طریقت کا راہنما بھی اور پیر بننے کا زیادہ مستحق بھی یہی ہے“۔

(دفتر اول مکتوب ۲۲۱)

بعض لوگ کرامات کے ظہور کو ولایت کی دلیل سمجھتے ہیں حالانکہ بزرگان نے اہل کرامت کے بجائے اہلِ استقامت بننے کو کہا ہے۔ خوارق و کرامات کا ظہور نہ تو ولایت کے ارکان میں ہے اور نہ اس کے شرائط میں سے۔ اسی طرح کثرت سے ظہورِ خوارق فضیلت کی دلیل نہیں بلکہ افضلیت تو فقط قربِ الٰہی جل شانہٗ کے درجات کے لحاظ سے ہے۔ بعض اولیاء کرام سے اس کثرت سے خوارق کا ظہور ہوا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اُس کا دسواں حصہ بھی ظاہر نہیں ہوا لیکن سب سے افضل ولی ادنیٰ صحابی کے درجہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا ہے کہ صاحب کرامت وہ ہے۔ جو اپنی ذات کیلئے نفس کی سرکشی سے آمادہ جنگ رہے کیونکہ نفس سے جنگ کرنا اللہ تعالیٰ تک رسائی کا موجب ہے۔

آدابِ مرشد

کوئی سالک اپنے مرشد کا آداب ملحوظ خاطر رکھے بغیر معرفت وسلوک کی منازل ہرگز طے نہیں کرسکتا۔ مرشد کے آداب کی کوئی حد نہیں لیکن اس میں شریعتِ مطہرہ سے بغاوت ہرگز نہ ہو۔ بیعت کے بعد اپنے شیخ کے فرمان پر عمل پیرا رہے۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر عنایات خداوندی سے کسی طالب کو کامل کر دینے والے شیخ تک رسائی حاصل ہو جائے۔ تو وہ اس وجود کو غنیمت جانے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اُس کے سپرد کردے اور اپنی بدبختی کو اُسکی ناراضگی میں خیال کرے اور اپنی ہر خواہش کو اُس کی رضا کے تابع کر دے۔ طالب کو چاہئے کہ وہ اپنے چہرے کو تمام اطراف سے موڑ کر اپنے شیخ کی طرف کرے اور اپنے تمام امور میں اُسی سے رہنمائی حاصل کرے۔

شیخ کی مجلس میں بدون اجازتِ شیخ فرض وسنن کے علاوہ کوئی اوراد وغیرہ نہ کرے اور کلیتاً اپنے آپ کو اُس کی طرف متوجہ کرے۔ ایسی جگہ کھڑا نہ ہو کہ مرید کا سایہ پیر کے کپڑوں جسم اور پیر کے سایہ پر پڑے۔ پیر کی جائے نماز پر پاؤں نہ رکھے۔ اُس کے وضو خانے میں وضو نہ کرے۔ پیر سے خوارق یعنی کرامات وغیر کا طالب نہ ہو۔ کیونکہ کرامات کا ظہور

ولی اللہ ہونے کی شرط نہیں ہے۔ اصل چیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اتباعِ سنت ہے۔ کسی مردِ کامل اور مردِ بے ریا کا وجود اُس کے معمولاتِ زندگی صاحبِ نظر و بصیرت لوگوں کیلئے کرامات و کشف سے کم تر نہیں ہوتا۔ اپنے شیخ کے برتنوں کو استعمال میں نہ لائے۔ اُس کے سامنے نہ کھائے۔ نہ پیئے اور نہ یونہی کسی سے باتیں کرتا رہے۔ پیر جو امر کرے تو فوراً تعمیل کرے۔ خواجہ ابن عطار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو ادب سے محروم رہا وہ تمام کمالات سے محروم رہا۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ مشائخ کی خدمت مال و جان وتن سے کرو۔ اور اُن کے افعال پر انکار نہ کرو۔ کہ اُن کا منکر ہرگز خلاصی نہ پائے گا۔

پیر کی عدم موجودگی میں اُس کی طرف پاؤں نہ کرے۔ جس طرف پیر ہو۔ اُس طرف نہ تھوکے۔ پیر کی مجلس میں ننگا سر ہو کر نہ بیٹھے۔ اپنے کشفوں پر اعتماد نہ کرے بلکہ جو کچھ طالب پر منکشف ہو۔ پیر کی خدمت عرض کرے۔ اُس سے رہنمائی حاصل کرے۔ بے ضرورت اور بلا اجازت پیر سے الگ نہ ہو کیونکہ یہ عقیدت و محبت کے منافی ہے۔ اپنی آواز کو اُس کی آواز سے بلند نہ کرے۔ اسی طرح اونچی اور شوخ آواز سے اپنے شیخ کے ساتھ گفتگو نہ کرے کیونکہ یہ بے ادبی اور گستاخی ہے۔ ظاہر و باطن میں اگر فتوح کشائش ہو۔ تو اپنے پیر کے توصل سے ہی جانے۔ اگر دوسرے مشائخ سے بھی کبھی فیض پہنچے تو اسے بھی اپنے ہی شیخ کی طرف سے جانے اور اس وجہ سے اپنے شیخ سے دور ہو جانا بہت بُرا ہے حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید ایسے شیخ کی بیعت و صحبت اختیار کرے جس کی اُس کے دل میں عزت ہو اور مجبوراً بیعت نہ کرے۔ شیخ سے جو کچھ دیکھے اُس پر اعتراض نہ کرے اور اُس کے کلام کی تاویل نہ کرے۔ شیخ کے سجادہ

پر پاؤں نہ رکھے اور نہ ہی اُس کا کپڑا پہنے۔ ہاں اگر وہ پہننے کا حکم کرے۔ اگر کوئی خطرہ دل میں آئے تو شیخ سے ظاہر کرے۔ ورنہ اُس کی تکلیف مرید کو پہنچے گی۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مرید وہ ہے جو ارادت کی آگ میں جلا ہوا ہو۔ اُس کی کوئی مراد باقی نہ رہی ہو۔ اُس کا قبلہ پیر کا جمال ہو۔ عجز و نیاز کا سر پیر کے آستانے کے سوا کہیں نہ رکھتا ہو۔ اپنی سعادت پیر کے قبول میں اور شقاوت اُس کی رد میں جانتا ہو۔ پیر کے ساتھ حسن اعتقاد و محبت رکھے۔ تعظیم کرے۔ تعظیم سے محبت میں اضافہ ہو۔ یوں وہ پیر کے دل میں گھر کرے۔

کامل شیخ کا میسر آجانا غنیمت جانے۔ یہ سالک کیلئے انتہائی مسرت کا باعث ہے۔ ایسے شیخ کی جس قدر عزت، قدر تعظیم کرے کم ہے۔ اُن کی خدمت کیلئے مال و جان وقف کر دیئے جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی تعظیم و تکریم محض لِلّٰہ (اللہ کے لئے) کی جاتی ہے۔ ہاں دنیاوی طمع و مفاد کی خاطر کسی امیر' جاگیردار' سرمایہ دار اور دنیادار کی تعظیم و تکریم خدا کے نزدیک ناپسندیدہ اور مذموم ہے۔ مگر اولیاء اللہ کی تعظیم و تکریم پسندیدہ و محمود ہے۔ شیطان ابنِ آدم کا ابدی دشمن ہے۔ وہ برگزیدہ ہستیوں کی تعظیم کا منکر اور دشمن بنا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی دوسرا شخص اُس کے سامنے بزرگان دین کا نام تعظیم سے لینے لگے۔ تو اُسے سخت تکلیف ہوتی ہے اور پیچ و تاب کھانے لگتا ہے۔

جب تک پیر کی تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں مستحسن دکھائی نہ دیں۔ پیر کے کمالات سے بے بہرہ رہتا ہے۔ اگر کچھ کمال حاصل کر بھی لے تو وہ استدراجاً ہے۔ انجام بخیر نہ ہوگا مرید اگر پیر کے ساتھ کمال محبت اور اخلاص کے باوجود اپنے اندر پیر پر بال برابر اعتراض کی گنجائش پائے تو اُسے اپنی خرابی کے سوا کچھ نہ تصور کرے۔ مکتوب ۳۱۳ حصہ اول

دوسرا باب

توبہ

احکامات الٰہیہ میں سے کسی ایک کے دانستہ طور پر خلاف ورزی کو گناہ تصور کیا جاتا ہے لیکن انسان اپنی فطری کمزوری اور عاقبت نا اندیشی کی بنا پر گناہ کا ارتکاب کر ہی جاتا ہے۔ اس لیے اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ارتکاب معصیت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب سے بچنے کی کوئی راہ موجود بھی ہے یا کہ یہ رستہ بالکل مسدود ہو چکا ہے۔ جیسا کہ بعض مذاہب نے کیا ہے کہ ہر شخص کو اُس کے اعمال کا نتیجہ بہر حال بھگتنا ہی پڑے گا۔ اور اس سے بچنے کا کوئی بھی رستہ موجود نہیں ہے۔ اس کے برعکس بعض مذاہب نے شفاعت کے تحت معافی و درگزر کا دروازہ اس قدر وسیع کر دیا ہے۔ کہ کوئی گناہ ہی نہیں رہتا مگر قرآن نے اس بارہ میں توسط و اعتدال کی نہایت حکیمانہ اور حقیقت پسندانہ رستہ اختیار کیا ہے۔ اُس نے ہر اختیاری جرم پر پچھتاوے اور ندامت کی راہ بالکل کھلی چھوڑ رکھی ہے۔ کہ جونہی مجرم کو اپنی غلطی کا احساس و ندامت ہو تو اس کا عملی تدارک تلافی و کفارے سے کرے۔ اور اگر اس کی بھی کوئی گنجائش باقی نہ رہی ہو تو پھر بھی مایوس ہرگز نہ ہو۔ اور اپنے حاکم مطلق کی بارگاہ میں کمال حضوری سے پچھتائے، گڑگڑائے، روئے دھوئے اللہ تعالیٰ نے سورۃ تحریم میں فرمایا ہے۔ یا ایھا الذین امنوا توبو الی اللہ توبۃ نصوحا (التحریم ۸) ۔ترجمہ: اے ایمان والو اللہ رب العزت کی طرف ایسی توبہ کرو۔ جو آگے کو نصیحت ہو جائے یعنی توبۂ صادقہ ہو۔ کہ جس کے کرنے سے اس کا

اثر توبہ کرنے والے کے اعمال سے ظاہر ہونے لگے۔اس کی تمام تر زندگی اللہ رب العزۃ کی اطاعت سے معمور ہو جائے۔ گناہوں سے دور رہے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ توبہ نصوح وہ ہے کہ توبہ کے بعد آدمی پھر گناہوں کی طرف نہ لوٹے جیسے دودھ پھر تھن میں واپس نہیں ہوتا۔

انسان جب اپنے آپ کو اس قدر پشیمان سمجھے۔تو اپنے اعمال و افعال کو مطابق شریعت درست کرے۔زبان سے ہر وقت اقرار جرم اور استغفار کرے۔تو مولا کریم غفور الرحیم ہے۔وہ ذات پاک ماں سے بھی کئی گنا زیادہ شفیق و مہربان ہے۔تو وہ اپنی کمال مہربانی سے توبہ قبول فرمالے گا۔ اور اس طرح اُسے معافی کا پروانہ عنایت ہو سکتا ہے۔ توبہ کے معنی رجوع کرنے کے ہیں یعنی جو سمت اختیار کر رکھی ہے۔اس سے ہٹ کر دوسری راہ اختیار کی جائے۔شرعی توبہ یہی ہے کہ انسان اپنی کم نصیبی، بدبختی، کج بینی یا نادانی کی وجہ سے معصیت کاری میں مبتلا ہے تو اسے فوراً ترک کر کے صراط مستقیم کی شاہراہ پر گامزن ہو جائے۔اور یہ بھی یاد رہے کہ توبہ کرنے کے محرکات فقط رب سے شرمساری ہو۔ تو ایسی توبہ کے قبول ہونے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

انما التو بة علی اللہ للذ ین یعملو ن السوء بجھالة ثم یتو بو ن من قریب فا ولئک یتو ب اللہ علیھم (النساء ۱۷) ترجمہ۔وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کرلیا ہے، وہ انھیں کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں پھر دیر میں توبہ کرلیں ایسوں پر اللہ اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے۔

بہر حال توبہ جتنی جلدی ہو سکے کر لی جائے۔یعنی مغلوبیت نفس و عقل کے وقت جو گناہ سرزد ہو جائے۔تو اس کے ترک عمل اور پشیمانی کے عزم کو سرعت کے ساتھ قائم کرلیا جائے۔

ایسی قبول توبہ کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔ مگر جس قدر تاخیر ہو گی قبولیت توبہ کے امکانات ضعیف ہوتے جائیں گے مگر شریعت مطہرہ نے عین شفقت و رحمت اور بندہ نوازی سے کام لے کر توبہ کی میعاد کو عالم نزع تک وسیع کر دیا ہوا ہے۔ کیونکہ دین اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو کہ مکمل ضابطۂ حیات ہے اور جس نے انسان کو زندگی کے کسی مرحلہ پر بھی مایوس نہیں کیا۔ بلکہ دین اسلام کی رو سے نیکی و بدی کی جزا و سزا کا معاملہ رب کائنات نے فقط اپنی ہی مرضی پر موقوف کر رکھا ہے اور اجر کا انحصار اس کی نیت پر ہے بندہ جب اپنے گناہوں پر سخت نادم ہو کر آئندہ کے لئے اصلاح پر آمادہ ہو کر صدق دل سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ جل شانہ اس کے تمام گناہ بخش دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کے توبہ کا عمل بہت ہی پسندیدہ ہے جسے عبادت میں شمار کیا جاتا ہے اور جس سے نہ صرف اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں بلکہ انعام کے طور پر اس کے نامہ اعمال میں سیئات کے بدلے حسنات درج کر دی جاتی ہیں۔ بندے کی اپنے گناہوں پر سخت ندامت اور خجالت پر اسے انعام و اکرام سے نوازا جاتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔

مَنْ تاب و امن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنٰت (الفرقان ۷۰) یعنی جو کوئی توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اس کے سابقہ گناہوں کو ہم نیکیوں سے بدل دیتے ہیں۔ اس آیہ مبارکہ سے اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر انتہا درجہ کی عنایت بخشش ثابت ہوتی ہے۔ کہ محض توبہ سے ہی نہ صرف اس کے گناہ بخش دیئے گئے۔ بلکہ ساتھ نیکیاں بھی حاصل ہو گئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک حدیث پاک کی روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کچھ جنگی قیدی گرفتار ہو کے آئے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا شیر خوار بچہ بچھڑ گیا تھا۔ اور وہ

مامتا کی ماری ایسی بے قرار تھی کہ جو بچہ بھی مل جاتا اس کو سینے سے چمٹا لیتی۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کا حال دیکھ کر ہم سے پوچھا کہ کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھوں سے آگ میں پھینک دے گی؟ ہم نے عرض کیا ہرگز نہیں۔ خود پھینکنا تو درکنار وہ خود گرتا ہو تو یہ اپنی حد تک اس کو بچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ ارحم بعبادہ من ھذہ بولدھا یعنی اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بہت زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لیے رکھتی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ توبہ اپنے معاصی پر پشیماں اور نادم ہونے کا نام ہے۔ حضرت خواجہ بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ توبہ یہ ہے کہ دل سے پشیمان ہو۔ ندامت ہو زبان سے استغفار اور اعضاء سے ترک ہو۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے توبہ کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ اپنے گناہوں کو یاد رکھے جبکہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ گناہوں کو فراموش کر دینے کا نام توبہ ہے۔ اور جناب عبداللہ تشتری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ افعال مذمومہ اور اخلاق ذمیمہ سے افعال محمودہ اور اخلاق حسنہ کی طرف انتقال کرنے کا نام توبہ ہے اللہ تعالیٰ توبہ، استغفار کرنے والے پر رحم فرماتا ہے پیغمبر برحق ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ خدا کو توبہ کرنے والے گنہگار کے کلمات توبہ تمام کلمات سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ اس لئے توبہ کرنے میں جلدی کرنا چاہیئے۔ حکماء نے کہا ہے کہ جس کو توبہ کی توفیق مل گئی وہ مغفرت سے محروم نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ انہ کان غفاراً۔ یعنی وہ (اللہ) بہت زیادہ مغفرت کرنے والا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ امت محمدیہ کو ایک خاص فضیلت دی گئی ہے۔ جو کہ مجھے حاصل نہ تھی وہ یہ کہ میری توبہ خاص مکہ میں قبول ہوئی جبکہ امت محمدیہ کی توبہ

اللہ تعالیٰ ہر جگہ قبول فرمالیتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ہر بیماری کیلئے دوا موجود ہے گناہوں کی دوا استغفار ہے۔ اس طرح جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا ہے کہ لوگو! خدا کے آگے توبہ کرو۔ میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ کہ جس نے دن میں دو مرتبہ بھی استغفر اللہ نہ کہا اُس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ گناہ کرنے سے انسان کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ جو کہ اُس کی حقیقی نورانیت کو تاریکی میں بدل دیتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرلے تو وہ داغ مٹ جاتا ہے۔ ورنہ بار بار ارتکابِ گناہ سے سیاہی بڑھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ پورا دل ہی سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور انسان کی توبہ کرنے کی توفیق بھی سلب ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وتو بوا الی اللہ جمیعا ایہ ا لمو منو ن لعلکم تفلحون .(النور ۳۱) ترجمہ۔ اور اللہ کی طرف توبہ کرو۔ اے مسلمانوں سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔ صاحبِ لغت حضرات نے دین و دنیا کی مکمل کامیابی کیلئے فلاح سے بہتر کوئی لفظ نہیں بنایا سورہ شوریٰ میں ارشاد ہے وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ. یعنی خدا وہ ہے جو اپنے بندے کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔ بندہ جب گناہ سے رجوع کرلیتا ہے تو وہ درگزر فرما دیتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ توبہ چھ معنوں میں سے ہے۔ ۱۔ گذشتہ گناہوں پر ندامت، ۲۔ ضائع شدہ فرائض کا اعادہ، ۳۔ ادائے حقوق۔ ۴۔ جس طرح معصیت میں نفس کی پرورش کی تھی اُسی طرح اُسے اطاعت میں لگائے رکھنا، ۵۔ نفس کو حلاوتِ گناہ کی طرح تلخی طاعات کا مزہ چکھانا، ۶۔ گذشتہ ہنسی خوشی کے بدلے رونا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ توبہ گناہ کیلئے ایسی ہے جیسے کپڑے کے لئے صابن

بعض علماء کا قول ہے۔ کہ توبہ کا کمال آٹھ چیزوں سے ہوتا ہے۔ ۱۔ گذشتہ گناہوں پر ندامت۔ ۲۔ ادائے فرض، ۳۔ ادائے حقوق۔ ۴۔ مدعیوں سے اُن کے حقوق کی معافی۔ ۵۔ ترک عزم گناہ۔ ۶۔ اطاعت الٰہی میں نفس کی تربیت۔ ۷۔ نفس کو تلخی کا اس طرح عادی کرنا۔ جیسے گناہوں کے مزے کا عادی کیا تھا۔ ۸۔ اصلاح اکل وشرب۔

جناب عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب خاتم النبین ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو تائب کی حقیقت معلوم ہے ہم نے عرض کیا کہ خدا اور اُس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس نے توبہ کا علم نہ پڑھا وہ تائب نہیں جو توبہ کی عبادت نہ کر سکا۔ وہ تائب نہیں۔ جس نے توبہ کی اور جھگڑوں سے الگ نہیں ہوا وہ تائب نہیں۔ جس نے توبہ کی اور اپنے لباس اور دینوی زینت کو نہ چھوڑا وہ تائب نہیں۔ جس نے توبہ کی اور اپنے دوست نہ بدلے وہ تائب نہیں۔ جس نے توبہ کی اور اپنے اخلاق نہ بدلے وہ تائب نہیں جس نے توبہ کی اور اپنا بسترِ معصیت نہ لپیٹا و تائب نہیں۔ جس نے توبہ کی اور حاجت سے زائد مال خیرات نہ کیا وہ تائب نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دوزخ سے ڈرے اور گناہ ترک نہ کرے وہ خدا کے نزدیک جھوٹا ہے اور جو یہ کہتے ہیں حضرت محمد ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ مگر آپ کی اتباع نہ کرے وہ بھی جھوٹا ہے۔ تائب نہیں ہے۔ تائب تو خدا اور اُس کے رسول ﷺ کا دوست ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللہ یُحب التوابین و یحب المتطھرین. (البقرۃ ۲۲۲)

ترجمہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور طاہر لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔

توبہ کے دروازے بڑے بڑے گنہگار کافر ومشرک پر بھی بند نہیں ہوتے۔ بلکہ صدق دل سے توبہ کرنے والا اس قدر پاک صاف ہو جاتا ہے۔ جیسے نومولود بچہ۔ جو کہ ہر قسم کے

عصیاں سے پاک اور معصوم ہوتا ہے۔اور اس کا درجہ اس قدر ہو جاتا ہے جیسے اُس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں تھا۔توبہ جس قدر جلد ممکن ہو کر لینی چاہیے۔سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔التائب من الذنب کمن لا ذنب له. گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہ ہو۔

ذکرُ اللہ

نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بُو میں خرد کھوئی گئی ہے چار سُو میں
نہ چھوڑ اے دل! فغان صبح گاہی اماں شاید ملے ''اللہ ھو'' میں

اسلامی تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اپنی پوری زندگی احکام الٰہی کے مطابق بسر کریں اور ہر حال، ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو مدنظر رکھیں یہ عظیم مقصد صرف اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کہ بندہ ہر وقت اپنے رب کیطرف دھیان رکھے۔ اُس کی عظمت و محبت کو مکمل طور پر اپنے دل میں جگہ دے۔ اسی مقصد کے حصول کیلئے بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی خاطر تعلیم دی گئی ہے۔ کہ وہ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت پیدا کرنے کی خاطر زبان کو تسبیح و تقدیس اور حمد و ثناء سے تر رکھے ذکر کرنے والا ذاکر اور ذکر نہ کرنے والا غافل ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک فطری عمل ہے۔ کہ آدمی جس کسی کے عظمت و کمال میں ڈوب کر رہے گا۔ اور جس کسی کے حسن و جمال کی دن رات مدح سرائی کرتا رہے گا۔ تو اُس کے دل میں اُس کی محبت و عظمت ضرور پیدا ہو گی۔ اُس کی تعظیم اُس کے لئے روحانی مسرت و شادمانی کا باعث ہو گی۔ بلکہ مداومت سے محبت میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ بہر حال یہ ایک مسلمہ امر ہے۔ کہ ذکر کی کثرت عشق و محبت کے چراغ کو روشن تر کر دیتی ہے۔ زندگی کے تمام معاملات میں کامل اطاعت پیدا کرنے کا واحد اور بڑا ذریعہ محبت ہی ہے۔ کیونکہ محبت ہی محبِ صادق کو محبوب کا مطیع و فرمانبردار بنا دیتی ہے۔ یعنی پیروی محبت کی علامت ہے۔

ع: عاشقی چیست بندہ جاناں بودن

محبت محبوب سے خواہ ظاہر خواہ باطن ہر حال میں خلوص نیت کرنے کا نام ہے۔ محبت بجز محبوب کے سب سے آنکھیں بند کر لینے کو کہتے ہیں۔ عاشق محبت کے نشے میں ایسے مست ہوتے ہیں۔ کہ محبوب کے مشاہدہ کے بغیر ہوش میں نہیں آتے۔ وہ ایسے بیمار ہیں کہ مطلوب کے دیدار کے بغیر تندرست نہیں ہوتے۔ انہیں اغیار سے حددرجہ وحشت ہوتی ہے۔ بغیر مولا کے انہیں کسی سے اُنسیت نہیں ہوتی۔

جناب سید شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی قدس سرہٗ سے کسی نے محبت کے بارہ میں دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ محبت دل کی تشویش کا نام ہے۔ جو محبوب کے فراق میں اُسے حاصل ہوتی ہے۔ اس تشویش کے وقت دنیا اُس کے سامنے ایسی ہوتی ہے جیسے انگشتری کا حلقہ۔ یا ماتم کا مجمع۔ محبت ایک نشہ ہے۔ جس کے لئے ہوش نہیں ایک قلق ہے جس کے لئے سکون نہیں۔ لیکن ایک قلب میں دو چیزوں کی محبت یکجا نہیں ہوسکتی۔

ایک دفعہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنے بچے کو اپنی آغوش میں لیکر پیار فرما رہے تھے۔ کہ بچے نے اُن سے دریافت کیا۔ کہ کیا آپ مجھے محبوب خیال کرتے ہیں۔ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر بچے نے ایک اور سوال کیا۔ کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کو بھی محبوب رکھتے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں بچے نے پوچھا کہ پیارے ابا جان ایک قلب میں دو محبتیں کیونکر یکجا ہوسکتی ہیں تو حضرت عیاض نے فوراً بچے کو جدا کر دیا اور سجدہ ریز ہوگئے۔ چنانچہ ایسی کیفیت پیدا کرنے کے لئے ذکر ضروری ہے۔ جو کہ ذاکر اور مذکور کے باہم تعلق کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور رسول اکرم ﷺ نے اپنے ارشادات میں ذکر کی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں اور کئی مقامات پر ذکر کی

تاکید فرمائی ہے ذکر الٰہی روح کی غذا ہے۔ذکر الٰہی سے انسان اپنے قلب کی گہرائیوں کو محسوس کرتا ہے اسی کو شاعرِ مشرق نے تصوف کہا ہے۔امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ' نے اپنے مکتوب ۹۲ جلد اول میں فرمایا ہے۔کہ اطمینان قلب کا راستہ اللہ سبحانہ' کا ذکر ہے۔کیونکہ ذکر کے ذریعے خداوندِ قدوس کے ساتھ یک گونہ نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔اور ذکر کے ذریعے ذاکر اور مذکور کے درمیان ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔جو کہ محبت کا باعث بنتا ہے۔اور جب محبت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔تو دل سے اطمینان کے سوا سب کچھ نکل جاتا ہے۔اور جب معاملہ اطمینان قلب کے حصول تک پہنچ گیا۔تو اس شخص کو دولت ابدی حاصل ہوگئی۔لیکن یہ سب کچھ اُسی صورت میں ممکن ہے کہ زبان و قلب مل کر ذکر کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر چیز کے زنگ کو دور کرنے کیلئے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے۔دل کا زنگ دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہونے اور ہر قدم پر اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ سے رہنمائی ذکر کہلاتی ہے۔بصورت دیگر بندہ غفلت کا شکار ہے۔

ع: چیست دنیا از خدا غافل بودن

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔کہ ذکر کے چار مراتب ہیں۔
ا۔زبان سے ذکر کرنا۔۲۔دل کو تکلیف سے ذاکر بنانا۔۳۔ذکر کی اس قدر پختگی کہ بغیر تامل ذکر جاری رہے۔۴۔استغراق یا فنافی اللہ۔

زبان سے ذکر کرنے سے اُس کے اثرات قلب و جگر پر ضرور مرتب ہوتے ہیں۔اس لئے جب کوئی گناہ سامنے آجاتا ہے۔تو بندہ اپنے رب تعالیٰ سے ڈر کر اُسے یاد کر کے گناہ سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔اور یوں ذکر گناہ سے محفوظ کر لیتا ہے۔ذاکر کے منہ سے کوئی

بُری بات نہیں نکل سکتی۔ اُسے خوب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ جل شانہٗ کا ذکر کرنے والی زبان سے وہ بے حیائی و فحش کلامی کیسے کرے۔ غیبت، جھوٹ، بدکلامی سے ذکر اُسے روک رکھتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر اُسے ظاہری و باطنی مصیبتوں سے نجات دلاتا ہے۔ اس لئے وہ شخص کتنا ہی خوش بخت و نیک بخت ہے۔ کہ جس کو ذکر کی توفیق نصیب ہوئی۔
ایک دفعہ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اے حبیب خدا ﷺ آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتادیں جس کو میں مضبوطی سے پکڑ رکھوں۔ تو باعث تخلیق کائنات ﷺ نے فرمایا۔ **لا یزال لسانک رطباً من ذکر اللہ.** یعنی تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے ہر وقت تر رہے۔ اسی طرح حدیث قدسی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر سے اُس کے ہونٹوں کی حرکت ہوتی ہے۔ تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ذکر اللہ کے بجائے دیگر کلام کم کیا کرو۔ کیونکہ ذکر خدا کے بغیر زیادہ کلام سختی دل کا باعث ہوتی ہے۔ اور سختی دل قرب الٰہی سے دور رکھنے کا باعث بنتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں نے معراج شریف کی رات ایک شخص کو نور میں ڈھانپا ہوا دیکھا میں نے پوچھا کیا یہ کوئی فرشتہ ہے؟ جواب ملا نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ کیا یہ کوئی نبی ہے جواب ملا نہیں بلکہ یہ ایک آدمی ہے۔ دنیا میں اس کی زبان ذکر سے تر رہتی تھی۔ اور اس کا دل مسجد میں لگا رہتا تھا۔ کیونکہ **المومن فی المسجد کالسمک فی الماء. المنافق فی المسجد کالطیر فی القفس.** (ترجمہ) مومن مسجد میں اس طرح ہے جیسے مچھلی پانی میں اور منافق مسجد میں اسطرح ہے جیسے پرندہ پنجرے میں

اللہ تعالیٰ کا ذکر عبادت ہے عبادت کیلئے طہارت ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا جسم کی طہارت کے ساتھ ساتھ روح کی طہارت بھی ضروری ہے۔ روح کی طہارت تطہیرِ نظر رزق حلال اور تزکیۂ نفس سے ممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر نہایت افضل شے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔ جو کسی دیگر ذریعہ سے ممکن نہیں ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (الرعد ۲۸) یعنی اطمینان قلب اللہ جل شانہٗ کے ذکر سے ہوتا ہے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اطمینان قلب کا راستہ اللہ سبحانہٗ کا ذکر ہے کیونکہ ذکر کے ذریعے ذاکر اور مذکور کے درمیان ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ جو کہ محبت کا باعث بنتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہو جاتی ہے۔ تو دل سے اطمینان کے سوا سب کچھ نکل جاتا ہے اور جب اطمینان قلب حاصل ہو گیا۔ تو دولت ابدی حاصل ہوگی۔

ذکر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ مزمل میں قیام لیل کا حکم فرمایا ہے جس کے وقت کا بھی تعین کر دیا گیا ہے جس سے مراد نماز تہجد ہے۔ یا ایھا المزمل. قم الیل الا قلیلا. نصفه او انقص منه قلیلا. اسی سورۃ میں دوسری جگہ (واذکر اسم ربک و تبتل الیه تبتیلاً) ۔ اپنے رب کے نام کا ذکر کر۔ فرما کر ذکر اللہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ صوفیاء میں بھی اسی بنا پر ذکر نفی اثبات اور ذکر اثبات مجرد کا سلسلہ رائج ہے۔ طالب جب اگلی منزل میں پہنچتا ہے۔ تو وہ یاداشت کی منزل ہوتی ہے۔ جب کہ باطن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو جاتا ہے۔ تفصیل آگے بیان ہوگی۔

ذکر دو طرح کے ہیں۔ (۱) ذکر لسانی (۲) ذکر قلبی۔

۱۔ذکرلسانی: ذکرلسانی کی کثرت ضروری ہے۔قرآن میں بعض مقامات پر ذکرجلی یا زبان سے ذکر کرنے کی ترغیب مذکور ہے ارشاد خداوندی ہے وا ذکر ربک کثیرا. وسبح با لعشی و الابکار.(آل عمران ۴۱) ترجمہ۔"اور اپنے رب کو بہت یاد کرو اور پاکی بیان کرو (اس کی) شام اور صبح"۔سورہ الدہر (آیت ۲۵) میں فرمایا و الذکر اسم ربک بکرۃ و اصیلا ٥ و من الیل فا سجد لہ. (ترجمہ)"اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی اور رات (کی تنہائیوں میں) بھی۔اس کو سجدہ کیا کیجئے۔" نماز کے علاوہ اذکار کی دیگر متعدد سورتوں میں سے مختلف تسبیحات،کلمات اور،اوراد و وظائف کے ذریعے خدا کو یاد کیا جاتا ہے۔بزرگ فرماے ہیں۔کہ بہترین کلام ذکر الٰہی ہے۔نیز بجز ذکر الٰہی خاموشی بہتر ہے۔

۲۔ذکر قلبی: اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وا لذ کر ربک فی نفسک تضر عا و خیفۃ و دون الجھر من القو ل با لغدو و الاصال ولا تکن من الغفلین.(الاعراف ۲۰۵) ۔ترجمہ۔اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو۔زاری اور ڈر سے اور زبان سے بے آواز نکلے۔صبح اور شام۔اور غافلوں میں نہ ہونا۔

قرآن پاک کی ان آیات میں رب تعالیٰ نے ذکر خفی کی ترغیب اور تلقین دی ہے کہ اپنے رب کو دل ہی دل میں یاد کیا کرو اس حال میں کہ تمہاری زبان بالکل ساکت اور خاموش رہے۔ذکر قلبی کا اثر قوی تر و بزرگ تر ہوتا ہے اس ذکر میں زبان ساکت رہتی ہے اور صرف دل کی گہرائیوں سے اللہ کو یاد کیا جاتا ہے۔اسے ذکرِ خفی بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ ذکر مخفی اور پوشیدہ ہوتا ہے ذکر اس وقت تک فائدہ منداور پر اثر نہیں ہوسکتا جب تک دل کو

غیر اللہ کے علائق سے پاک نہ کیا جائے اور مکمل طور پر دل کدورتوں اور خواہشات سے پاک نہ ہو جائے دل کو جب تصفیہ و تزکیہ کے بعد جب راغب الی اللہ کیا جاتا ہے تو دل کو روحانی زندگی میسر آتی ہے۔

؎ دل چوں ماہی و ذکر چوں آب است زندگی دل بہ ذکر وہاب است

ترجمہ: ''جس طرح مچھلی کی زندگی پانی سے ہے (اسی طرح) دل کی زندگی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہے''۔

اگر دل کو مچھلی تصور کر لیا جائے۔ تو ذکر کی حیثیت اس کے لیے پانی کی سی ہے جس طرح پانی کے بغیر مچھلی زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح دل کی روحانی زندگی بھی اللہ کے ذکر سے قائم ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث پاک روایت ہے کہ۔ ان خیر الذکر الخفی و خیر الرزق ما یکفی. یعنی بہترین ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو جائے۔ مسند ابو یعلیٰ میں بروایت حضرت عائشہؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل ہے کہ وہ ذکر خفی جس کو فرشتے نہ سن سکیں (دوسرے ذکر) پر ستر درجے فضیلت رکھتا ہے۔

تیسرا باب

﴿طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی خصوصیات﴾

عجب ہی سالار ہیں یہ نقشبند کہ لے جاتے ہیں حرم تک قافلے کو

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ

اس وقت زیادہ تر سلسلہ ہائے نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ اور قادریہ مروج ہیں۔ ان سب سلاسل کی منزلِ مقصود وصل الٰہی ہی ہے۔ مگر اپنی ترکیب وترتیب کے لحاظ سے ان میں معمولی سی رنگت ذرا جدا جدا ہے۔ بہر حال یہ چاروں طریقے بالکل حق ہیں۔ طالب کسی طریقے میں بھی شامل ہو کر اپنے مرشد کامل کی رہنمائی سے اپنا گوہر مقصود حاصل کر سکتا ہے ہر سلسلہ باعث رحمت و برکت ہے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ نسبت صدیقیہ سے فیضیاب ہے حضرت امام ربانی قدس سرہ نسبت صدیقیہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اے برادر! اس بلند طریق کے سر حلقہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو کہ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تحقیقی طور پر تمام بنی آدم سے افضل ہیں اسی اعتبار سے اس طریق کے بزرگوں کی عبارات میں آتا ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ اُن کی نسبت جس سے مراد حضوری اور آگاہی ہے۔ بعینہٖ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت حضور ﷺ سے ہے اس طریقہ میں اتباع سنت واجتناب بدعت کا نہایت اہتمام والتزام ہے۔

ظاہر ہے کہ جس طریق میں جس قدر اتباع سنت واجتناب بدعت زیادہ ہوگا۔ اسی قدر اس میں انوار وتجلیات مصطفےٰ علیہ السلام کا ظہور زیادہ ہوگا۔ اور اسی قدر وہ نسبت قوت و رفعت میں ممتاز ہوگی۔ نقشبندیہ امام طریقت حضرت خواجہ سید بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ کے مرید ہیں

طریقہ کی خصوصیات

محبتِ شیخ:

طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی امتیازی خصوصیات میں پہلا زینہ متابعت رسول ﷺ اور دوسرا زینہ محبت شیخ ہے۔ محبت شیخ کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ طریقہ نقشبندیہ کا دارومدار دو اصولوں پر ہے۔ پہلا سنت رسول ﷺ پر اس حد تک استقامت کرنا کہ اُسکے چھوٹے اور معمولی آداب بھی ترک نہ ہونے پائیں۔ اور دوسرا شیخ طریقت کی محبت اور خلوص میں اس قدر راسخ اور ثابت قدم ہو کہ اُس پر کسی قسم کے اعتراض اور انگشت نمائی کا خیال بھی دل میں نہ لا سکے بلکہ اُس کی تمام حرکات وسکنات مرید کی نظر میں محبوب دکھائی دیں۔ اس لئے اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور فضل وکرم سے یہ دو اصول درست ہو گئے تو دنیا و آخرت میں سعادت اُس کا مقدر ہے

صحبتِ شیخ:

صحبت شیخ بھی محبت شیخ کے ضمن میں آتی ہے۔ جس قدر صحبت شیخ زیادہ ہوگی اسی قدر محبت شیخ میں اضافہ ہوگا۔ اسی لئے مشائخ نقشبندیہ نے صحبت شیخ زیادہ سے زیادہ اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ تاکہ طالب شیخ کی مجلس میں رہ کر فیض وبرکت حاصل کرے

حضرت امام ربانی محبوب سبحانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس طریقہ یعنی سلسلہ نقشبندیہ میں افادہ واستفادہ کا دارو مدار صحبت شیخ پر ہے۔خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ شیخ طریقت کی محبت پر ہے۔اور صحبت کی بہت ہی فضیلت ہے۔

؎ ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا　　　او نشیند در حضور اولیاء

ترجمہ:" جو چاہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھوں وہ اولیا کے پاس بیٹھے"۔

اصحاب کرام رضوان اللہ اجمعین خیر البشر ﷺ کی صحبت کی وجہ سے ہی اولیاء امت سے افضل ہیں بڑے سے بڑا ولی اللہ بھی صحابی کے درجے سے کم تر ہے۔کوئی ولی اللہ صحابی کے درجہ کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا خواہ وہ اویسِ قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہی کیوں نہ ہوں۔

رابطۂ شیخ:

ہر وقت ہر جگہ قلب میں تصور شیخ کے ذریعے شیخ طریقت سے اپنا رابطہ قائم رکھے۔کیونکہ بعض اوقات بدنی صحبت میسر نہیں ہوتی تو تصور شیخ سے بھی رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

رابطۂ شیخ وہ کیمیاء اثر نسخہ ہے کہ جس کے ذریعے فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسول ﷺ کے بعد فنا فی اللہ جیسے اعلیٰ مقامات تک رسائی ہو سکتی ہے۔اور اس سے قربِ الی اللہ کی منازل جلد اور سہل طریقے سے طے ہو جاتی ہیں۔

مرشد کو وسیلۂ ہدایت جانے اور اُس کی خیالی صورت بطریق محبت و تعظیم سامنے رکھے۔جو لوگ شیخ کے ساتھ دل نہیں لگاتے۔وہ فیض اور ترقی سے محروم رہتے ہیں۔مختلف صوفیائے کرام کے مختلف نظریات ہیں لیکن اکثر صوفیائے عظام اس بات پر مشترک و متفق ہیں کہ وحی اور الہام ہی علم کا ماخذ و منبع ہے۔صوفیائے کرام تزکیۂ نفس پر زور دیتے ہیں۔جو کہ

عبادات، مراقبہ، مجاہدہ، عشق اور ترکِ ماسوا کے واسطے سے ممکن ہے۔ کیونکہ عبادت ریاضت اور مجاہدے سے انسان کی طبیعت ضبطِ نفس کو پالیتی ہے۔ اور جب سالک اس قوت پر حاوی ہو جائے تو دیگر مخالف قوتیں مسخر ہو جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے خواہشاتِ نفسانی قابو میں رہتی ہیں۔

حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ فرماتے ہیں۔ ''جس قدر نفوس ہیں۔ اسی قدر خدا سے ملنے کی راہیں ہیں۔ ہر نفس اپنی حقیقت سے ملنے کا راستہ رکھتا ہے۔ لیکن دینِ کبریٰ نے بالاتفاق تین راہوں کو اخذ کیا ہے۔ یہ تین راستے سب راستوں سے افضل ہیں۔ اور انہی راستوں پر چلنے سے لاکھوں ولی اللہ بن گئے۔ اور ان کی تصدیق تواتر سے حق الیقین تک پہنچتی ہے یہ راستے بیشک سب راستوں سے افضل ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱)۔ ذکر (۲)۔ فکر (۳)۔ رابطہء شیخ

خواجہ معصومؒ کا فرمان ہے ''ذکر رابطہ کے بغیر خدا تک نہیں پہنچاتا البتہ رابطہ بغیر ذکر کے خدا تک پہنچا دیتا ہے''۔ پس رابطہء شیخ انتہائی عمدہ اور مفید چیز ہے جس کی بنا پر طالب بوجہ اتصالِ روحانی و پرتوِ کمال باطنی اپنے شیخ سے ایسا کمال حاصل کر لیتا ہے۔ کہ جیسے مہر کی نقل کاغذ پر جلوہ گر ہوتی ہے۔

خُدا کا تخیل

تصور باری تعالیٰ کے اعتبار سے صوفیائے کرام کے

تین طبقات ہیں۔(۱)ایجادیہ (۲)وجودیہ (۳)شہودیہ

ا۔ایجادیہ۔ اس مسلک کے ماننے والوں کے نزدیک کائنات کی تخلیق لاشے سے ہوئی ہے۔خالق اور مخلوق کے جوہر جدا جدا ہیں۔یہ نظریہ ''ہمہ از اوست'' ''سب اُسی نے بنایا'' کے قائل ہیں۔اور اُن کا کلمہ ''لا معبود الا ھو'' اس نظریہ کے مطابق خدا اور انسان کا تعلق خالق اور مخلوق حاکم اور محکوم جیسا ہے۔

وضاحت

مسئلہ وحدت اس قدر نازک ہے۔کہ اگر اسکی تعبیر وتشریح میں ذراسی بھی لغزش ہوجائے۔ تو اس کی حدود الحاد وزندیقیت سے جاملتی ہیں۔لہٰذا قارئین کو اس میں انتہائی درجہ محتاط رہنا چاہیے۔اپنی علمی بے بضاعتی کی وجہ سے میں نے اپنے طور پر انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے میرے جیسے ناقص العلم کیلئے اسلاف کے بارے میں کچھ کہنا کمال بے ادبی ہے۔ صرف بزرگوں کے اقوال وخیالات کو درج کرنے کی کوشش کی ہے۔ارادۃً کسی بزرگ

کے سلسلہ کی تنقیص ہرگز مطلوب نہ تھی۔ میرا اپنا خیال ہے کہ ہر دو میں فضیلت کا معاملہ ہے ہمارے بزرگوں نے اس سلسلہ پر جو بحث مباحثہ کیا ہے۔ اسے اسکی فضیلت کی بحث تک ہی محدود رکھنا چاہیئے۔ بہر حال میں انتہائی، انتہائی عجز و انکساری سے اپنے کسی غیر مناسب لفظ کیلئے معافی کا طلب گار ہوں گا۔ وحدت کے سلسلہ میں صوفیائے کرام کے دو مشہور گروہ ہیں۔ جس میں سے ایک وحدت الوجود اور دوسرا وحدت الشہود کو فضیلت دیتا ہے۔

۲۔ وحدت الوجود

نظریہ وحدت الوجود کو سب سے پہلے ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے تیسری صدی ہجری میں پیش کیا لیکن بالواسطہ طور پر اس کا تعلق منصور حلاج اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ملفوظات و مشاہدات سے بھی ہے۔ جناب حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ بھی اس نظریہ کے معید گزرے ہیں مگر وحدت الوجود کو فلسفیانہ رنگ میں جناب شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۶۰ ہجری) نے پیش کیا۔ جنہیں عام طور پر شیخ اکبر کہا جاتا ہے۔ اور عام طور پر یہ انہی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس مسلک کے ماننے والوں کے مطابق خدا کے سوا کسی اور شے کا وجود ہے ہی نہیں یعنی وجود صرف خدا کا ہے۔ کائنات کی اشیاء کا خدا کی ذات سے ہٹ کر کوئی وجود نہیں۔ ہم سب کچھ نہیں۔ معدوم ہیں۔ گرچہ کائنات میں بے شمار ایسی اشیاء ہیں جن کا انسان مشاہدہ کرتا ہے یا انہیں استعمال کرتا ہے۔ وہ بدیہی طور پر موجود نظر آتی ہیں۔ تاہم وجود کو وحدت محض میں منحصر کر دینے کے بعد ان تمام اشیاء کے وجود سے انکار کرنا لازم ہے۔ اور ہر چند کہ کائنات ایک وجود رکھتی ہے۔ مگر وہ حقیقی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا ظل

یا پرتو ہے۔ اور خدا کی صفات بھی کئی ایک ہیں۔ مگر یہ تمام صفات عین ذات ہیں۔ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی صفات ہی کی تجلی ہے۔ اسی لئے وہ بھی عین ذات ہے۔ خالق اور مخلوق کا جوہر ایک ہے۔ وہی اللہ ہے۔ جو کہ ہر شے کا مصدر و مظہر ہے۔ تخلیق تو صرف اپنے آپ کو ظاہر کر کے جاننے کے لیے خدا کی ایک خواہش ہے۔ لوگ کائنات کی ہر چیز میں خدا کا ہی ظہور دیکھتے ہیں۔ سلوک کے آخری مقام فناء پر پہنچ کر سالک کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ "وہی ہے" اور ذات وصفات خدا (سالکین راہ طریقت) ایک ہیں۔ انسان مثال خدا ہے۔ خدا انسان کی ہستی میں سما کر موجودات عالم کا مشاہدہ کرتا ہے۔ خدا انسان کو جن صفات سے متصف کرتا ہے وہ خود ان صفات کا مصدر ہے اور جب انسان خدا کا تصور کرتا ہے۔ تو گویا وہ اپنا ہی تصور کرتا ہے۔ دراصل جب صوفی مشاہدۂ حق میں غرق ہو جاتا ہے تو اسکو دنیا میں ہر طرف خدا کا ہی جلوہ نظر آتا ہے۔ اس بناپر وہ کہتا ہے۔ کہ دنیا میں صرف خدا کا وجود ہے۔ باقی اشیاء معدوم ہیں۔ اور اشیاء کائنات خدا کی ذات کا مظہر وعکس ہیں۔ انکا کوئی ذاتی وجود نہیں۔ اسلئے کلام مجید میں ہے کل یو م ھو فی شان اس لحاظ سے ذات خداوندی اور اس کائنات میں عینیت کا تعلق ہے۔ اور دوئی کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ کہ ہم انسان سے اسکی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کے اعضاء وجوارح کا اصل ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ اور انسان میں عینیت ہے۔ اسی طرح حدیث میں بھی آتا ہے کہ (خلق الادم علے صورتہ) یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ انسان میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات

موجود ہیں یہی سبب ہے کہ انسان کو اپنے نفس کی معرفت حاصل کرنے کی توجہ دلائی گئی ہے کیونکہ اپنے نفس کی معرفت اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه. (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا)

شیخ اکبر کے عقیدہ وحدت الوجود کا استدلال یہ ہے۔ کہ ذات صفات کی عین ہے۔ کائنات صفات کی تجلی ہے۔ اور چونکہ صفات عین ذات ہیں اس لئے کائنات بھی عین ذات ہے اس کی تردید کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صفات عین ذات نہیں۔ بلکہ زائد علی الذات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وجود فی ذاتہٖ کامل ہے۔ اسے اپنی تکمیل کیلئے صفات کی احتیاج نہیں۔ وہ موجود ہے لیکن اس کا وجود خود اس کی ذات ہے۔ وہ سمیع ہے اپنی ذات سے۔ وہ علیم ہے اپنی ذات سے۔ وہ بصیر ہے اپنی ذات سے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی صفات عین ذات نہیں۔ اسکی ذات کے اظلال ہیں پس مجدد صاحب کے اس نظریہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کائنات اسکی صفات کی تجلی کا نام نہیں بلکہ اس کی صفات کا ظل یعنی پرتَو یا سایہ ہے اور ظل کبھی عین اصل نہیں ہوتا اور مظہر کبھی عین ظاہر نہیں ہوتا۔

۳۔ وحدت الشہود۔

عام طور پر نظریہ وحدت الشہود کا بانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کو سمجھا جاتا ہے مگر اس سے بہت پہلے علاؤ الدین سمنانی کے ہاں بھی وجود و شہود کی بحث ملتی ہے۔ مگر شیخ سرہندی نے تو اسے باقاعدگی اور باضابطگی سے پیش کر کے زبردست شرح کی۔ جس سے اس نے ایک نظریہ کی صورت اختیار کر لی۔ شہود کے معنی دیکھنے، مشاہدہ کرنے کے ہیں۔ اور اہل تصوف کی اصطلاح میں یہ ایک ایسا مقام ہے جس کے حاصل ہونے پر سالک کو تمام موجودات

میں جلوۂ حق نظر آتا ہے۔اس مسلک کے ماننے والوں کوشہودی کہا جاتا ہے۔اس دور کے اکثر مشائخ نقشبندیہ اسی نظریہ کو دیگر مقامات پر فضیلت دیتے ہیں ان حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ خدا کا وجود اپنی جگہ پر مسلّم ہے۔مگر کائنات کا وجود ''قائم بالذات'' ہے۔اس لحاظ سے کائنات کی مختلف اشیاء اپنا ایک الگ وجود رکھتی ہیں۔اور ذاتِ واجب کے بغیر موجو دات کا ممکنہ وجود نہیں ہوسکتا۔ جملہ موجودات اُسی ایک نور سے موجود ہیں ۔خدا اور کائنات میں خالق اور مخلوق کا تعلق ہے خدا اور بندے میں فرق ہوتا ہے۔یعنی خدا معبود اور بندہ عبد ہے۔اس بحث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں ۔کہ خالق اور مخلوق قطعی طور پر ایک نہیں ہوسکتے۔مخلوق کے وجود کو ہم مشاہدہ کی بنا پر تسلیم کرتے ہیں۔یعنی ہم سورج چاند، ستارے ، ذرّے ، پھول، کلی ، انسان اور حیوان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ۔ مشاہدہ کرتے ہیں اسی لئے اس نظریہ کا نام وحدت الشہو درکھا گیا ہے۔

حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔کہ کائنات ذاتِ خداوندی سے جدا ہے۔یہ ایسا ہی ہے جیسے اصل اور ظل میں فرق ہے۔کہ ہر دو کا وجود الگ الگ ہے۔مگر دونوں میں تعلق بھی قائم ہے۔اسی بنا پر شیخ کا قول ہے کہ کائنات خدا کی ذات یا صفات کے مظاہر نہیں بلکہ کائنات موجود بالذات ہے۔مظہر کے عین ظاہر نہ ہونے کے بارے مجدد علیہ رحمتہ کا ارشادگرامی ہے۔''فرض کیجیے کہ ایک صاحب فن اپنے طرح طرح کے کمالات کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔اور اس کے لیے وہ حروف واصوات ایجاد کرتا ہے۔یہ حروف واصوات کمالات کا آئینہ بن کر کمالات کے ظہور کا باعث بنتے ہیں لیکن ان حروف واصوات کو جو مرایائے کمالات ہیں عین کمالات قرار نہیں دیا جاسکتا۔پس یہ بات قطعی طے ہوگی کہ اس کائنات کو صفاتِ ذات کا مظہر تسلیم کر لینے سے بھی مظہر عین ذات ثابت نہیں ہوسکتا۔

اگر چہ شیخ اکبر نے اثبات باری تعالیٰ سے کائنات کی نفی پر استدلال کیا ہے مگر مجدد علیہ رحمتہ فرماتے ہیں۔ ذات باری تعالیٰ کے اثبات سے وجود کائنات سے انکار لازم نہیں آتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص آفتاب کے وجود کا یقین رکھتا ہے۔ تو اس یقین محکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آفتاب کے چمکنے پر ستاروں کو نظر کے سامنے نہ پا کر سرے سے ہی ان کے وجود کا انکار کر دے جس طرح ہر شخص جانتا ہے کہ ستارے موجود ہیں مگر نور آفتاب کی تابش سے مستور ہو گئے ہیں لہٰذا وہ ان کے وجود کا انکار نہیں کر سکتا اسی طرح اثبات ذات باری تعالیٰ سے نفی کائنات کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ درحقیقت وجود کائنات کی نفی کرنا تعلیمات اسلام کے خلاف اور برعکس ہے۔ مجدد علیہ رحمتہ فرماتے ہیں کہ ابن عربی نے کائنات کی نفی سے وحدت وجود پر جو استدلال کیا ہے۔ یہ بات شیخ نے مقام فنا میں کہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ صوفی جب اس مقام سے بھی بلند تر مقام پر پہنچتا ہے تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے۔ مقام فنا میں محبوب کے غلبہ محبت کی وجہ سے ہر چیز مستور ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ صوفی محبوب کے سوا کسی اور کو دیکھتا ہی نہیں لہٰذا وہ اس کے سوا کسی کو موجود نہیں پاتا۔ خواجہ امیر درد فرماتے ہیں کہ ذات واجب کے بغیر موجودات ممکنہ کا وجود نہیں ہو سکتا اور جملہ موجودات اسی ایک ذات کے نور سے موجود ہیں اکثر ناواقف جو شیخ مجدد کے کلام کو نہیں سمجھتے اور اپنے گمان میں انہیں ظل کا قائل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اُن کی یہ رائے محض وسط سلوک میں تھی۔ اکثر صوفیائے خام و ناتمام جو اپنے زعم میں اپنے آپ کو عارف کامل سمجھتے ہیں شیخ مجدد رحمتہ اللہ علیہ کی تصانیف کو دیکھ کر جن میں اثنینیت اور ہمہ از اوست کا بیان ہے۔ خیال کرتے ہیں کہ وہ حقیقت سے ناواقف تھے۔ کیونکہ مسئلہ توحید بہت مشکل ہے اس لئے یہ اُن پر پوری طرح منکشف نہیں ہوا تھا۔ مگر وہ نہیں سمجھتے کہ ”کل من عنداللہ“

کے مطابق **ہمہ از اُوست** کی تصدیق وحی سے ہوتی ہے اس لئے ہمہ اُوست غلط ہے اور ہمہ از اُوست صحیح۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے صاف صاف تحریر فرمادیا ہے کہ دنیا اور خدا میں وہی رشتہ ہے۔ جو خالق اور مخلوق میں ہوتا ہے۔ اتحاد وحلول کی تمام تقریریں الحاد ہیں جو سالک کی باطنی غلط فہمی سے پیدا ہوتی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے نظریۂ وحدت الوجود کی اس طرح صراحت نہیں فرمائی جس سے اکابرین صوفیاء کی تنقیصِ شان ہوتی ہو۔ آپ نے تو اربابِ توحیدِ وجودی کے تصورات ومکاشفات کی بڑی خوبی سے تاویل فرمائی ہے۔ اور اُن کو مخالفانہ خردہ گیری سے بچا لیا۔ چنانچہ خواجہ محمد ہاشم کشفی کو ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔ ''اس میں شک نہیں کہ علماء ظاہر میں سے کسی نے کہا ہو کہ یہ مسئلہ باطل ہے لیکن ان حضرات (اربابِ توحیدِ وجودی) نے پوری جلالیت کے ساتھ کہا ہے اور لکھا ہے ان بزرگوں کے معاملہ میں باطل کو کیا دخل۔ اس مقام کا بطلان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جس مقام پر کہ ان حضرات نے اس عالیشان مسئلے کے متعلق کہا ہے۔ وہاں استیلائے حق ہے۔ اور بطلانِ باطل۔ ان بزرگوں نے تو حق تعالیٰ کے عشق میں خود کو اور غیر خود کو گم کردیا ہے اپنا نام ونشان بھی نہیں چھوڑا قریب ہے کہ باطل بھی ان کے سایہ سے گریزاں ہو۔'' اسی طرح ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں ''متصوفہ گرامی میں سے جو کوئی وحدت الوجود کا قائل ہے اور اشیاء کو عینِ حق دیکھتا ہے۔ اور ہمہ اوست کا حکم دیتا ہے اس کا مقصد یہ نہیں کہ اشیاء اور حق جل وعلاء متحد ہوگئے ہیں تنزیہہ سے تنزل کر کے تشبیہ پر آگئے ہیں واجب، ممکن اور بے مثال، مثال ہوگیا ہے۔ یہ سب باتیں کفر و بے دینی گمراہی اور زندقہ ہیں۔ بلکہ **ہمہ اوست** کے معنی تو یہ ہوئے کہ وہ خود نہیں ہے صرف اللہ تعالیٰ

موجود ہے۔اس لئے آپ (حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ) حضرت منصور حلاج کے قول ''انا الحق'' اور حضرت بایزید بسطامی کے قول ''سبحانی ما اعظم شانی'' کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو غلبۂ محبت کی وجہ سے یہ احکام دیتے ہیں مگر ایسا غلبۂ محبت اور استیلائے عشق محبوب کیوجہ سے ہوتا ہے کہ محب کی نظر سے غیر محبوب اوجھل ہو جاتا ہے۔اور وہ سوائے محبوب کے کچھ نہیں دیکھتا۔نہ یہ کہ محبوب کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں کیونکہ یہ حس عقل اور شریعت دونوں کے خلاف ہے

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصور وحدۃ الوجود کی مخالفت نہیں فرمائی۔البتہ اس کی تعبیر وتشریح کی پرزور مخالفت فرمائی ہے۔جس سے اتحاد وحلول کا شائبہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے آپ نے اس تصور کی تاکید کے ساتھ ساتھ یہ صراحت فرمائی ہے ''ممکن کو عین واجب کہنا اور اس کی صفات و افعال کو صفات و افعال الٰہی کے عین قرار دینا صفات وافعال الٰہی کی بے ادبی اور بے دینی ہے''۔ایک اور جگہ فرمایا ہے پس عالم کے ساتھ اُس کو کسی طرح بھی نسبت نہیں ہے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ عالمین سے بے نیاز ہے۔ اللہ سبحانہٗ کو عالم کے ساتھ نسبت دینا بھی فقیر کے بعد گراں ہے۔

ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے بے حد متاثر ہیں۔ بلکہ یہ کہا جائے تو خلافِ حقیقت نہیں کہ انہوں نے اپنے تصورِ خودی کی بنیاد حضرت مجدد کے تصور وحدت الشہود پر رکھی۔انہوں نے اپنے انگریزی خطبات میں حضرت مجدد کے اس تصور کو سراہا ہے اور ایک جگہ لکھتے ہیں سترھویں صدی کے ایک گراں قدر مفکر شیخ احمد سرہندی ہیں۔ہم عصر تصوف پر جن کی بے باکانہ تشریحی تنقید نے ایک تکنیک (وحدت الشہود) کو جنم دیا۔صوفیاء کے مختلف سلاسل طریقت جو وسط ایشیا و عرب سے ہندوستان

آئے اُن میں صرف موصوف کی وہ تکنیک ہے جس نے ہندوستان کی حدود کو عبور کیا اور آج بھی پنجاب، افغانستان، وسط ایشیائی روس میں ایک زندہ قوت ہے۔

لندن یونیورسٹی کے فاضل ڈاکٹر پیٹر ہارڈی نے توحید وجودی کے بارے میں حضرت مجدد کی تنقیدات کا تجزیہ اس طرح کیا ہے کہ حضرت مجدد کے خیال میں محی الدین ابنِ عربی اور اُن کے مکتبِ فکر نے سلوک کی صرف ایک منزل یا حال "فنا" کے متعلق کہا ہے۔ یہ کوئی آخری منزل نہیں ہے۔ مقام فنا پر پہنچ کر سالک خود فراموش ہو جاتا ہے۔ اور ذات باری میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ غیر خدا کا اُس کو احساس تک نہیں رہتا۔ واقعہ یہ ہے کہ ابن عربی داخلی و خارجی تمیز نہ کر سکے۔ حالانکہ اس مقام پر بھی ان کو اہل دنیا کا ضرور احساس رہنا چاہیے تھا۔ تا کہ وہ خالق و مخلوق میں تمیز کر سکتے۔ ورنہ ان کی گفتگو خدا ہی کے بارے میں ہو گی۔ منزل فنا سے اوپر بھی ایک اور منزل ہے۔ جہاں ابنِ عربی نہیں پہنچے۔ اس منزل پر پہنچ کر سالک کو معلوم ہوتا ہے کہ فقط وجدان کے ذریعے خدا کو نہیں پہچانا جا سکتا۔ اس لیے انسان کو وحی اور علوم دینیہ کی قدر کرنا چاہیے۔ شاہ ولی اللہ کے نظریہ کے مطابق وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اُنہوں نے دونوں نظریات میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اُن کا قول ہے کہ جب صوفی عالم استغراق میں ہوتا ہے تو اُس کو بجز خدا کچھ نظر نہیں آتا اس لئے وہ کائنات کی نفی کرتا ہے۔ یہی وحدت الوجود ہے۔ مگر جب وہ عالم استغراق سے باہر آتا ہے۔ تو کائنات کی مختلف اشیاء کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ اُن کا خالق خدا ہے اس طرح وہ کائنات کا مثبت تصور کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ساری اشیاء خدا کی ذات کا مظہر ہیں۔ اور اپنا ذاتی وجود رکھتی ہیں جب وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے۔ تو وہ وحدت الشہود کا قائل ہو جاتا ہے۔

فنافی الشیخ

ہر وقت تصور، گمان اور خیال میں اپنے شیخ کو متحضر رکھنا۔ اپنی ذات، پسند اور ناپسند کو شیخ کی ذات اور رضا میں فنا کر دینا۔ اپنی عادات اور معمولات کو شیخ کی عادات اور معمولات کے مطابق ڈھال لینا۔ اپنی وضع، لباس اور چال ڈھال کو شیخ کے مطابق بنانا اور سجا لینا فنافی الشیخ کہلاتا ہے۔ مقام فنافی الشیخ ہی درحقیقت فنافی الرسول ﷺ اور فنافی اللہ کے مقامات کا ذریعہ اور وسیلہ بنتا ہے۔ وصول الی اللہ کے لیے شیخ کامل کی صحبت، محبت اور اطاعت اہل طریقت کے ہاں وصول الی اللہ کا مقدمہ ہے۔ شیخ کامل چونکہ عارف باللہ اور واصل باللہ ہوتا ہے اس کے قلب پر انوارات الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے اور نور خدا کا نزول دو ہی جگہ پر ثابت ہے یا تو "بیت اللہ پر" اور یا پھر "قلب عبداللہ پر" مولانا رومی نے مثنوی میں اس حدیث قدسی کو یوں بیان کیا ہے۔

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است	من نہ گنجم در سر بالا و پست
من نہ گنجم در زمین و آسماں	من بگنجم در قلوب مومناں

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بلندی و پستی میں نہیں سما سکتا اور نہ میں زمین و آسمان میں سما سکتا ہوں۔ بلکہ میں مومنوں کے دلوں میں سما سکتا ہوں پھر جس طرح شریعت میں خانہ کعبہ خالق و مخلوق کے درمیان عبادت کے واسطے رابطہ ہے

اسی طرح حقیقت میں شیخ کامل خالق ومخلوق کے درمیان معرفت کے واسطے رابطہ ہے۔ تو گویا فنافی الشیخ ہی فنافی اللہ ہے۔ کیونکہ شیخ کامل ''الحب فی اللہ والبغض فی اللہ'' کے مصداق اپنی پسند و ناپسند کو خدا کی پسندیدگی و ناپسندیدگی میں فنا کر چکا ہوتا ہے۔ اور ''من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ'' کے مصداق اپنی خواہشات اور ترغیبات کو رضاء الٰہی کے سپرد کر کے مقام مرتضٰی پر فائز ہو چکا ہوتا ہے۔ ''ذاکر ہمہ ذکر و ذکر مذکور شود'' کے مطابق ذاکر سے مذکور اور طالب سے مطلوب بن چکا ہوتا ہے۔ اور ''رجال لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله'' (النور ۳۷) (وہ لوگ جو تجارت اور خرید و فروخت میں بھی اللہ کے ذکر سے غافل نہیں رہتے) کی عملی تصویر بن چکا ہوتا ہے۔ قرآن نے بھی ''ولا تعد عينك عنهم'' (الکھف ۲۸) (اور ان سے اپنی آنکھیں نہ پھیرو) کہہ کر ایسے شخص کے تصور کو اپنے قلوب و اذہان میں راسخ کرنے کے لیے مہر ثبت کر دی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ سید محمودؒ کو اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں ''اپنی تمام مرادیں شیخ کے سپرد کر دینی چاہییں اور اس کی خدمت میں مردہ بدست غسال کی طرح ہو جانا چاہیے پہلی فنا' فنافی الشیخ ہے اور یہی فنا' فنافی اللہ کا وسیلہ بن جاتی ہے''۔

فنافی الرسول ﷺ

نورِ ازل نے جب عدم کے گیسو وا کیے۔ تو

شب دیجور سے صبح نورعیاں ہوئی۔ اسی نورازل کی پہلی تجلی کا نام حقیقت محمدیہ ﷺ ہے۔ وسیم وقسیم، مصطفیٰ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کہ جن کو خالق عزوجل نے سیرت وکردار، حسن و جمال اور فضل وکمال کی ان رفعتوں اور عظمتوں پر فائز کیا کہ جس کی تمثیل ونظیر عالم امکانات میں ناممکن ترین ہے۔ سیدی ومرشدی حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "درعالم امکاں مثل اُو متصور نیست" رب کریم نے فرمایا "لولاک لما خلقت الافلاک" (کہ اگر آپ نہ ہوتے تو میں کچھ تخلیق نہ کرتا) اور جب تخلیق کائنات کا افتتاح کرنا چاہا تو "اول ما خلق اللہ نوری (سب سے پہلے اللہ نے میرا نور تخلیق کیا) نور مصطفیٰ ﷺ سے کیا۔ پھر فرمایا "کنت کنزاً مخفیاً (میں تو چھپا ہوا خزانہ تھا) جب میں نے اپنی ذات کا اظہار کرنا چاہا تو "قد جاء کم برھان من ربکم" تو ذات مصطفیٰ ﷺ سے کیا اور جب میں نے اپنے مضمون توحید (ھو اللہ احد) کا پرچار کرنا چاہا تو لفظ "قل" کہہ کر عنوان رسالت یعنی مقام مصطفیٰ ﷺ سے کیا اور بتا دیا کہ میں قادر و مالک خدا ہو کر بھی واسطۂ رسالت کے ذریعے تم سے ہم کلام ہوا ہوں۔ اور اگر تم بھی ذات حق تک پہنچنا چاہتے ہو تو اس کا واحد ذریعہ اور راستہ

واسطۂ رسالت ہی ہے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

اوست ایجاد جہاں را واسطہ درمیان خلق و خالق رابطہ

گویا فنا فی اللہ ہونے سے قبل فنا فی الرسول ﷺ ہونا لازم ہے۔ فنا فی الرسول ﷺ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ سالک سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بے پناہ عشق اور محبت سے سرشار ہو جائے۔ اور یہی عشق و محبت سالک کے دل میں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت اور اتباع کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ پھر یہی جذبہ سالک کو اتباع سنت ﷺ اور اطاعت شریعت سے مزین کر دیتا ہے۔ اپنے سیرت و کردار اور ظاہر و باطن کو احکامات شریعت اور سنت رسول مقبول ﷺ کے مطابق ڈھال لینا ہی فنا فی الرسول ﷺ کہلاتا ہے۔

فنافی اللہ

؎ از رموزِ زندگی آگاہ شو ظالم و جاہل زغیر اللہ شو

ترجمہ: زندگی کے اسرار سے باخبر ہو اور غیر اللہ کے متعلق ظالم اور جاہل بن جا۔ اس شعر میں اس آیۂ شریفہ اِنَّا عَرَضْنَا الامانۃ علی السموات والارض و الجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا و حملھا الانسان ط انہ کان ظلوما جھولا (الاحزاب ۷۲) کے آخری الفاظ کی جانب اشارہ کیا جارہا ہے۔ جس میں انسان کو ''ظالم اور جاہل'' کہا گیا ہے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ان دو الفاظ کی حکیمانہ تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام دوسری چیزوں سے انتہائی کنارہ کشی، بے اعتنائی اور لاعلمی اختیار کر۔ چونکہ عدل اور علم کا اعلیٰ ترین مخزن اللہ تعالیٰ ہے۔ لہٰذا کلی طور پر اس میں محو و مستغرق ہو جا اس صورت میں مخلوق اور حوائج مخلوق سے جاہل ہو جانا مقصد حیات کو پالینا ہے۔ انسان کی ایسی زندگی دائمی و ابدی ہے ہر جہت سے عیش کامل ہے۔ کیونکہ وہ زمان و مکان کی رسمی قیود سے بالاتر ہو کر دوام محض (اللہ تعالیٰ) میں فنا ہو جاتا ہے۔

؎ عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

مولانا جامیؒ نے بھی درج بالا آیۂ کریمہ کی خوبصورت تفسیر کی ہے۔ اور ''ظلوم و جہول'' کے الفاظ کی تفسیر کر کے حجابات واشگاف کئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں ''انسان کے بغیر اس امانت کو کسی نے قبول نہ کیا کیوں کہ انسان ظلوم اور جہول تھا۔ اس کا ظلم یہ تھا کہ اس نے

اپنی ہستی کو فناہ کر دیا تا کہ بقائے سرمدی حاصل کرے۔ اور اس کی جہالت یہ ہے کہ حق کے بغیر جو کچھ تھا اس نے اپنے دل کی لوح سے مٹا دیا۔

؎ غیر انساں کسش نہ کرد قبول | زانکہ انسان ظلوم بود و جہول
ظلم اُو آں کہ ہستیٔ خود را | ساخت فانی بقائے سرمد راہ
جہل اُو آں کہ ہر چہ جز حق بود | صورت آں ز لوح دل بزدود

جب انسان کا نفس اور قلب کثرت عبادات و مجاہدات کی وجہ سے آلائشوں سے پاک، صاف، منزہ اور مطہرہ ہو جاتا ہے اور اپنے اندر خدائی صفات پیدا کر لیتا ہے۔ اور خدا کے رنگ میں مکمل طور پر رنگا جاتا ہے۔ اور قلب کسی رسمی ذکر کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اور کوئی خارجی عوامل اُس کو اس سے نہیں روک سکتے۔ اس کیفیت کو فنا فی اللہ یا استغراق کہتے ہیں۔ حسین بن منصور حلاج نے اسی کیفیت میں نعرۂ حق بلند کیا تھا۔ سمجھنے کے لئے ایک مثال قابل غور ہے۔ کہ "لوہے کو جب دہکتی آگ میں رکھ کر گرم کیا جاتا ہے۔ تو آگ کی صفات لوہے کے اندر منتقل ہو جاتی ہیں۔ اور آگ جیسی خصوصیات اُس کے اندر پیدا ہو جاتی ہیں۔ درحقیقت لوہے پر آگ کا پرتو اپنے آثار و خواص کا اظہار کر رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح کمال بندگی کے باعث بندہ خود فنا ہو جاتا ہے۔ اُس کا ہر فعل اور قول وجود مطلق کی تجلیات کا مظہر بن جاتا ہے۔ اسی مرحلہ پر پیر رومیؒ فرماتے ہیں۔

؎ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود | گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

حدیث قدسی میں ہے کہ بندہ نفل عبادتوں کے ساتھ میرے ساتھ تقرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کے میں بھی اس کو محبوب بنا لیتا ہوں۔ حتیٰ کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں

جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور ہاتھ، جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور پاؤں جس سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر مجھ سے یہ بندہ مانگتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں اور اگر میرے ساتھ پناہ پکڑتا ہے تو پناہ دیتا ہوں۔

قرآن کہتا ہے۔ **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (العنکبوت ٦٩)**

ترجمہ: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی۔ (مجاہدہ کیا) ضرور ہم انہیں اپنے (رضا، معرفت اور وصال کے) راستے دکھادیں گے۔ معلوم یہ ہوا کہ وصال ذات کی شرط فنائے ذات قرار دی گئی ہے۔

؎ اگر بقا طلبی اوّلت فنا باید — کہ تا فنا نشوی رہ نمی بری ببقا

خلافت :۔

یہ ایک وسیع اور اہم چیز ہے۔خلیفہ کیلئے صاحب نسبت ہونا ضروری ہے۔اور نسبت بھی متعدی ہونی چاہیے۔شیخ کامل اپنے مرید کو ایک طریقہ کا سلوک طے کرا کر اُس طریقہ کی نسبت کا متصرف بنا کر اپنا خلیفہ بنا سکتا ہے۔یا چند خاص خاص طریقہ کے سلوک و نسبت کے بعد خلیفہ بنا دے۔اسی طرح شیخ کے دس بیس بلکہ دس بیس ہزار خلیفہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اپنی حیثیت و استعداد کے مطابق دعوت الی الحق کر سکتے ہیں۔اُن کی کوئی خاص جگہ مقرر ہو یا نہ ہو۔اس سے یہ فرق بھی واضح ہو جاتا ہے۔کہ سجادہ نشین اور جانشین دونوں الگ الگ لفظ ہیں اور دونوں کے مفہوم بالکل جُدا ہیں۔دونوں میں بعد المشرقین ہے۔گو ان دنوں عام طور پر یہ دونوں لفظ ہم معنی تصور کیے جاتے ہیں۔

سجادہ نشین :۔

سجادہ نشین اُس کو کہتے ہیں۔کہ کسی نے اپنے اوقات کل یا جزو کو محض اللہ کی عبادت کے لئے وقف کر دیا ہو۔اور کسی خاص جگہ پر اقامت کر لی ہو۔صرف خود اپنے منازل طے کر رہا ہو۔یا اپنے ساتھ اپنی قابلیت و ہمت کے مطابق دوسروں سے بھی سلوک طے کرا رہا ہو اور وہ جگہ اس سے پہلے کسی بزرگ کی ہو یا نہ ہو۔خواہ وہ منصب ولایت پر فائز ہو یا نہ ہو۔

چوتھا باب

﴿بیان اصطلاحاتِ نقشبندیہ﴾

بیان اصطلاحات سلسلہ نقشبندیہ

حضرات نقشبندیہ رحم اللہ علیہم نے اپنے طریقہ کی بنیاد گیارہ کلمات پر رکھی ہے۔ان میں سے آٹھ کلمات خواجہ خواجگان حضرت عبدالخالق عجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے اور تین کلمات بانی سلسلہ نقشبندیہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں یہ اصطلاحات اشغال واعمال کی طرف اشارہ کرتی ہیں آٹھ کلمات یہ ہیں ۔ا۔ہوش دردم ۔۲۔نظر برقدم ۔۳۔سفر دروطن ۔۴۔خلوت درانجمن ۔ ۵۔یادکرد۔۶ ۔بازگشت ۔۷۔نگہداشت ۔۸۔یاداشت ۔حضرت شاہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تین کلمات یہ ہیں ۔ا۔ وقوف زمانی ۲۔وقوف قلبی ۳۔وقوف عددی

ا۔ہوش دردم :۔یہ اصل میں پاس انفاس ہی ہے۔یہ کہ سالک کا ہر سانس حضورو آگاہی یعنی ہردم ہوش میں ہو۔تاکہ کوئی سانس غفلت ومعصیت میں نہ گزرے ۔اور ہر وقت سانس کی حفاظت کرے تاکہ رابطہ ٹوٹنے نہ پائے اور وابستگی قائم رہے ۔حدیث شریف میں ہے۔کہ ہوشیار وہ شخص ہے کہ جس نے اپنے نفس کوڈرایا۔

حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کسی سانس کو ضائع نہ ہونے دیں۔ یعنی سانس کے دخول وخروج اور خروج ودخول کے درمیان محافظت درکار ہے۔کہ کوئی غفلت میں نہ گزرے ۔اگر غفلت محسوس کرے تو استغفار کرے ۔اور آئندہ غفلت ترک

کرنے کا ارادہ کرے۔ کیونکہ اسی غفلت کے سبب انسان معاصی کا مرتکب ہوتا ہے۔
ہوش در دم تفرقہ اندرونی کیلئے ہے۔

۲۔ نظر بر قدم :۔ یعنی اپنی نگاہ اپنے پاؤں کی طرف رکھنا۔ کیونکہ نیچی نظر رکھنا سنت رسول ﷺ ہے۔ تاکہ نظر کی محافظت ہو سکے۔ اور کوئی بصری آلائش یا نقش و نگار پردہ و در حسن و جمال خوبرویاں دل کو پراگندہ نہ کرسکیں۔ اس لئے سالک کو راہ چلتے ادھر اُدھر نہ دیکھنا چاہئے۔ کیونکہ نظر کی آلودگی ایک ایسا زہر آلودہ تیر ہے۔ جس سے شکار اور شکاری دونوں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ہلاکت نقص ایمان ہے۔ رسوائی و تباہی دارین ہے۔ رنگ برنگ اشیاء دیکھنے سے خیالات صالحہ منتشر ہو جاتے ہیں۔ اور سالک کا مطلوب سے برگشتہ ہو کر اپنی منزل سے بھٹک جانے کا اندیشہ ہے۔ دیگر اس سے مراد یہ ہے۔ کہ سالک کا قدم باطن اس کی نظر باطن سے پیچھے نہ رہے۔ سالک اپنے برائی اور نیکی کے قدم کو دیکھے اگر برائی میں قدم دیکھے تو پیچھے ہٹائے اور نیکی کے قدم کو مزید آگے بڑھائے

وقت رفتن برقدم باید نظر ہست سنت حضرت خیر البشر
اندریں حکمت بس است و بے شمار دیدہ خواہد طالب حق آشکار

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ نظر کو نیچے رکھنا یہ مبتدی کے لئے ہے۔ منتہی پر تو واجب ہے۔ کہ اپنے حال میں تامل کرے۔ کہ وہ کس نبی کے قدم پر ہے۔ کہ بعض اولیاء سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کے قدم پر ہوتے ہیں۔ اور اُن کو پوری جامعیت کمالات حاصل ہوتی ہے۔ اور بعض حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدم پر ہوتے ہیں۔ جب منتہی اپنے پیشوا کو پہچان لے تو چاہئے۔ کہ اُس کے اپنے حالات اور واقعات اپنے پیشوا کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں۔ دیگر حضور ﷺ کے قدم یعنی اسوہ و سنت پر ہر دم نگاہ رکھے

کہ میری زندگی حضور ﷺ کے قدم یا اسوہ سے ہٹ تو نہیں رہی۔

۳۔سفر در وطن :۔سفر در وطن کے معنی ہیں۔اپنے باطن میں سفر کرنا۔اس سے مراد یہ ہے۔کہ انسان کی اصل تخلیق ملکی ہے۔جو اس جسد بشری سے پہلے واقع ہوئی تھی۔جب روحی وملکی تخلیق کے بعد مادی وبشری تخلیق میں روح نے نزول کیا تو وہ روح بھی صفات ذمیمہ کا شکار ہوگئی۔اب اصل وطن کی طرف رجوع کرنے سے مراد یہ ہے۔کہ اپنے اندر ان صفات حسنہ کو تلاش کرے جن کی استعداد اس کے اندر رکھ دی گئی ہے۔اور جو اس کی روح کی پہلی کائنات ہے۔لہٰذا آدمی صفات بشریہ کو چھوڑ کر صفات ملکیہ حاصل کرے یعنی طلب جاہ، بغض، حسد، کینہ کو دل سے نکال باہر پھینکے اور اپنے دل کو اُن سے بالکل پاک کر دے دوسرے لفظوں میں صفات ذمیمہ سے صفات حمیدہ کی طرف انتقال کرنا ہے۔کیونکہ جب تک رذائل دل میں بھرے ہونگے۔تو خدا کا دل میں دخول کیونکر ممکن ہوگا۔اگر حبِ خلق کا غلبہ محسوس کرے۔تو لا الہ سے نفیٔ محبت خلق اور الا اللہ سے اللہ کی محبت اس کی جگہ ثبت کرے۔چنانچہ اول المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں ۔جس نے اللہ سے محبت کا مزا چکھا تو اُس نے اس کو طلب دنیا سے باز رکھا۔خواجگان نقشبند رحم اللہ اجمعین سفر ظاہری اتنا ہی کرتے ہیں کہ پیر کامل تک پہنچ سکیں۔دوسری حرکت جائز نہیں رکھتے۔اور شیخ سے دوری ہرگز نہیں چاہتے۔بلکہ آگاہی کے حصول کیلئے نہایت کوشاں رہتے ہیں۔یہ سیر آفاقی کو سیر انفسی سے طے کرتے ہیں۔باقی سلاسل میں سلوک سیر آفاقی سے شروع ہوتا ہے۔سیر انفسی سے ابتداء کرنا سلسلہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے۔اندراج نہایت در ہدایت کے یہی معنی ہیں۔

۴۔خلوت درانجمن :۔ خلوت درانجمن کا مطلب یہ ہے۔کہ دل سے خدا کے ساتھ مشغول رہے۔اور اپنے تمام مشاغل روزمرہ ازقسم طعام وقیام اکل وشرب۔نشست و برخاست، معاملات فہم وادراک وغیرہ پر اللہ جل شانہٗ کے ساتھ تعلق کو قائم رکھے۔اس کے لئے طہارت کوئی شرط نہیں ہے بلکہ روزمرہ زندگی میں اللہ تعالیٰ سے اس قدر قربت عین اسلام ہے۔اور یہ طلب دنیا کے ضمن میں بھی نہیں ہے۔تمدنی ومعاشرتی زندگی میں جہاں قدم قدم پر معصیت وگمراہی منہ کھولے خلق خدا کو ہڑپ کر رہی ہے۔فقط اسی طریقہ سے اپنے آپ کو بچایا جا سکتا ہے۔چونکہ اسلام ایک دین ہے۔ایک نظام زندگی ہے۔اس لئے اس میں زندگی کے ہر پہلو سے متعلق ضابطے موجود ہیں خلوت درانجمن ہمارے لئے سلسلہ نقشبندیہ نے وہ اصول وضع کر کے دیا ہے۔جس پر عمل کر کے ہم تہذیب وتمدن معاشرت، ثقافت، اقتصادیات معاشیات، معاملات غرضیکہ زندگی کے ہمہ گوشوں کو اسلام کے عین مطابق قائم کر کے صحیح اسلامی معاشرت قائم کر سکتے ہیں۔

ع: دل بہ یار دست بکار

خلوت درانجمن سے مراد یہ بھی ہے کہ پوری کائنات تو موجود ہے۔لیکن دل میں ماسوائے اللہ کسی کا خیال تک نہ ہو۔

؎ بندگاں باید کہ در وقت سخن قلب با حق قالبے درانجمن

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نہ تو عالموں والا لباس پہنتا ہوں۔اور نہ درویشوں والا تاکہ لوگ مجھے درویش اور عالم نہ سمجھیں۔بلکہ عام لوگوں کا لباس پہنتا ہوں۔تاکہ پہچانا نہ جاؤں۔صحابہ کبار کا بھی یہی طریقہ کار تھا۔کہ عام لوگوں کی طرح رہتے تھے۔اور اپنی کوئی خصوصی حیثیت اور شان خود ظاہر نہ فرماتے تھے۔یہی طریقہ خواجگان نقشبند کا بھی ہے۔
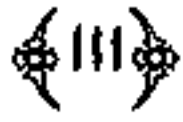
حضرت خواجہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کہ ذکر میں جھد و اہتمام بلیغ کے ساتھ مشغول ہونے سے سالک کو پانچ روز میں یہ دولت اور سعادت نصیب ہو سکتی ہے۔ خواجہ خواجگان حضرت شاہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خلوت در انجمن ظاہر میں خلق کیساتھ اور باطن میں حق کے ساتھ ہونا ہے۔

۵۔ یاد کرد۔ یاد کرد ذکر اور گیان کے ہم معنی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اپنے شیخ سے سیکھے ہوئے ذکر بر وقت ادا کرنا ہے ذکر اس کثرت سے کرے کہ اللہ جل شانہٗ کی حضوری حاصل ہو جائے۔ امام طریقت حضرت شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر سے مقصود یہ ہے۔ کہ ہمیشہ حضرت حق کے ساتھ حاضر رہے۔ ذکر غفلت سے باز رکھتا ہے۔ اسی لئے ابتدائی طور پر ذکر اثبات ونفی یا مجرد ذکر کی تلقین کی جاتی ہے۔ نیز ذکر سے مراد کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی تعلیمات کے علاوہ صفات الٰہیہ کو اپنے معانی کے ساتھ ذہن نشین کرنا ہے۔

۶۔ باز گشت:۔ یعنی رجوع کرنا یا پھرنا اس سے مراد یہ ہے۔ کہ تھوڑے تھوڑے ذکر کے بعد تین بار یا پانچ بار مناجات کی طرف رجوع کرے حضرت شاہ نقشبند قدس سرہٗ کی یہ دعا تھی۔ الٰہی مقصود من توئی ورضائے تو محبت مغفرت خود بدہ" اے اللہ میرا مقصود تو ہی ہے۔ اور اپنی خوشنودی اپنی محبت اور مغفرت عطا کر۔ حق یہ ہے کہ ذکر اور فکر کے درمیان اگر کچھ غیب سے نظر آئے۔ تو اُس پر سالک کو مغرور نہ ہونا چاہئے۔ اور اُسے مطلوب ہی نہ سمجھ لے۔ کیونکہ ذات الٰہی تو کجا صفات الٰہی میں سے ایک صفت میں اگر سالک لاکھوں سال گزار دے تو سیر ختم نہ ہو۔

حضرت شاہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ **ہر چہ دیدہ شد و دانستہ شد ۔ آں ہمہ غیر است بحقیقت کلمہ لا نفی آں باید کرد**۔ یعنی جو کچھ دیکھا سنا جائے اور جانا جائے وہ سب غیر خدا ہے کلمہ طیبہ کے **لا** سے سب کی نفی کرنی چاہیئے ۔

۷۔ **نگہداشت**:۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ ذاکر اپنے قلب کے خطرات اور احادیث نفس نگاہ میں رکھے ۔ اور کمال ہوشمندی سے رہے ۔ اور جو وساوس و خیالات غیر خدا دل میں آئیں ۔ اُن کا ابتدا ہی سے تدارک کرے ۔ اور ظہور طبیعت کا اس طرف مائل ہونے کا خطرہ ہے ۔ پھر نجات بھی مشکل ہے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خطرہ کو ایک ساعت بھی دل میں نہ رکھنا چاہیئے ۔ بزرگوں کے نزدیک یہ بہت اہم ہے ۔ اولیاء کاملین کو یہ دولت طویل عرصہ تک حاصل رہتی ہے ۔

۸۔ **یادداشت**:۔ یادداشت فکر اور دھیان کے ہم معنی ہے ۔ اور اس سے مراد دوام آگاہی بحق سبحانہٗ وتعالیٰ ہے ۔ دل میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے ۔ کہ یادکرو نگہداشت اور یادداشت میں کیا فرق ہے ۔ نگہداشت میں طالب اپنی کوشش سے اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول رہتا ہے ۔ لیکن یادداشت میں بلا کوشش اور خود بخود اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ومخاطب ہوتا ہے ۔ اور یہ مقام منتہیان ولایت کو حاصل ہوتا ہے ۔

یادداشت حاصل شود بعد از فنا — بلکہ حاصل می شود بعد از بقا
بعد ازیں غافل نہ باشد یک زماں — خواہ باشد فرح و غم سود و زیاں
در جماعت اولیاء داخل شود — جملہ طرق او واصل شود

اس کے بعد اب تین اصطلاحات جو کہ امام طریقت حضرت شاہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ہیں اُن کا بیان کیا جاتا ہے۔

۹۔ وقوف زمانی۔ وقوف زمانی اور ہوش دردم تقریباً ہم معنی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ ہوش دردم مبتدی کے واسطے ہے۔ ہر لحظہ اور ہر لمحہ احتیاط ہے۔ اور وقوف زمانی متوسط کیلئے مناسب ہے۔ کہ کچھ کچھ دیر بعد تامل کرے اور وقوف زمانی سے محاسبہ بھی کیا جاتا ہے۔ کہ نفس کس سمت کو جارہا ہے۔

۱۰۔ وقوف عددی۔ وقوف عددی سے مراد سالک کا اثنائے ذکر سے واقف رہنا ہے۔ اور جب ذکر حق کرے تو طاق عدد پر کرے۔ نہ کہ جفت عدد پر۔ کیونکہ اللہ وتر و یحب الوتر۔ لیکن ذکر عددی کے ساتھ ذکر قلبی بھی ضروری ہے۔

۱۱۔ وقوف قلبی۔ وقوف قلبی سے مراد یہ ہے کہ سالک ہر وقت ہر لحظہ اپنے قلب کی طرف متوجہ رہے۔ اور قلب خدا کی طرف متوجہ رہے۔ تاکہ سب طرف سے توجہ ٹوٹ کر معبود حقیقی کی طرف ہو جائے۔ اور وساوس و خطرات دل میں داخل ہی نہ ہونے پائیں۔ خصوصاً جلسہ ذکر کے دوران اُس کا پورا خیال رکھے۔ یہاں زندگی کو پیش آنے والے مختلف مراحل میں خدا کے پسندیدہ و ناپسندیدہ کام کا سوال بھی سامنے آتا ہے۔ گویا ہر پیش آنے والے امر پر یہ فیصلہ کرے کہ یہ کام خدا کو ناپسند ہے۔ اس لئے مجھے اس کا ترک کرنا ضروری ہے۔ اور اس میں خدا کی پسندیدہ صورت یہ ہے جس پر کاربند ہونا میرے لئے لازمی ہے بس اسی کا نام وقوف قلبی ہے۔ وقوف قلبی شاہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بہت ضروری ہے اور یہ رکن عظیم ہے۔ طریقہ سلسلہ نقشبندیہ کا دارومدار اسی پر ہے

پانچواں باب

﴿بیان سلوک از حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ﴾

بیان سلوک از حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ انسان دس لطیفوں سے مرکب ہے۔ اور وہ پانچ لطیفے تو عالم امر سے ہیں اور پانچ عالم خلق سے۔ عالم امر کے پانچ لطیفے یہ ہیں۔ (۱)۔ قلب (۲) روح (۳)۔ سر (۴)۔ خفی (۵)۔ اخفیٰ۔ اور عالم خلق کے پانچ لطیفے یہ ہیں۔ (۱)۔ نفس، عناصر اربعہ (۲)۔ آگ (۳)۔ مٹی (۴)۔ پانی (۵)۔ ہوا۔ عالم امر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا ظہور امر کن سے ہوا۔ اور عالم خلق بتدریج تخلیق کیا گیا۔ عالم امر فوق العرش ہے۔ جبکہ عالم خلق زیرِ عرش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہیکل جسمانی و انسانی کو پیدا فرما کر عالم امر کے یہ لطائف اُسمیں چند جگہ عنایت فرمائے ہیں۔ اور انسان کے جسم کے ساتھ اسے ایک خاص تعلق اور تعشق بخشا ہے۔ ہر ایک انسان میں صفات الٰہیہ کا پرتو موجود ہے۔ بعض اوقات تو صفات باری تعالیٰ کی تکمیل انسان کے ذریعے سے ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام میں یہ خصوصیات کچھ زیادہ ہی قوت کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اور اولوالعزم انبیاء کی کسی ایک خاصیت کو زیادہ اور نمایاں طور پر ودیعت فرمایا گیا ہے۔ ہر لطیفہ کی ولایت کسی نبی کے زیر قدم ہے۔ چنانچہ وہ لطائف جو کہ انبیاء کیساتھ منسوب ہیں۔ اس نبی کی خصوصیت کی تکمیل کیلئے اُس نبی کے تابع قدم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں دیکھنا ہوگا۔ کہ ہمارا قدم کس قدر مضبوطی سے اپنے متبوع کے تابع ہے۔ اور ہم اُس

نبی کی اس خصوصیت کی کس قدر تکمیل کر رہے ہیں لہٰذا ہمیں اُس لطیفے کی زیادہ مشق کرنا چاہیئے اور اگر اُس میں کچھ خامی نظر آئے تو جان لینا چاہیئے۔ کہ ابتدا میں کچھ کمی ہے۔ لہٰذا اسی وقت لطیفہ قلب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہی لطیفہ دیگر لطائف کے حصول کا بڑا راستہ ہے۔ اس کے بغیر دیگر لطائف کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ ہر لطیفے کی اصل عالم امر سے ہے۔ چنانچہ اصل نفس اصل قلب سے ہے۔ اصل باد اصل روح سے ہے۔ اصل آب اصل سر سے ہے۔ اصل نار اصل خفی سے اور اصل خاک اصل اخفیٰ سے ہے جب انسان نے ان لطائف اور اپنی اصل سے غفلت کر لی تو پیکر جسمانی وظلمانی میں مشغول ہو کر منزل مقصود سے رہ گیا۔ چونکہ یہ لطائف انسان کے اصل الاصل ہیں۔ لہٰذا طالب بطور هل من مزید اپنے اصل الاصل کی طرف رجوع کرتا ہے۔

؎ ہر کسے کہ دور ماند از اصل خویش ۔۔۔ باز جوید روزگار وصل خویش

اسی لئے اُسے مرشد کامل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اُس شخص کے شامل حال ہو جائے۔ تو وہ کسی اللہ کے دوست کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ اور وہ بزرگ ریاضات ومجاہدات کا حکم فرما کر اس کے باطن کا تزکیہ وتصفیہ فرما دیتا ہے۔ اور کثرت اذکار وافکار سے وہ لطائف اپنی اصل پر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نوازش وعنایت سے یہ لطائف ظاہر ہو جائیں۔ تو انسان ہر قسم کی کثافت بشریہ سے مصفل ہو جاتا ہے۔ اور یہ تصفل وتصفیہ بجز ذکر الٰہی ممکن نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ الا بذکر الله تطمئن القلوب. ایک اور جگہ فرمایا واذکر الله کثیرا لعلکم تفلحون.

ان بزرگان طریقہ عالیہ نقشبندیہ نے سالکان کیلئے چار شرائط مقرر فرمائی ہیں۔

اول۔ متابعت شریعت میں عقائد مطابق وموافق آرائے اہل سنت والجماعت،

دوم۔ لقمہ حلل، سوم ذکر کثیر، چہارم۔ اجازت شیخ کامل۔

۱۔ **لطیفۂ قلب**: جب سالک ان منازل سے گزر چکے۔ تو سب سے پہلے لطیفہ قلب طے کرے۔ اس لطیفہ کا نور زرد ہے۔ اس کی جگہ پستان چپ بفاصلہ دوانگشت مائل بہ پہلو ہے۔ اس کی ولایت حضرت آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ جو کوئی اسے طے کرے اُسے آدم المشرب کہا جاتا ہے۔

ہر لطیفہ مطابق طریقہ مراقبہ طے کیا جاتا ہے۔ جو اس طرح ہے۔ کہ سالک آنکھیں بند کرے لب پر لب، دانت پر دانت رکھ کر زبان کو تالو کے ساتھ چسپاں کرے۔ اور تمام خیالات وخطرات کو دل سے نکال باہر کرے۔ اور ہر لحہ اس بات کا خیال رکھے۔ کہ دیگر خیالات کا گزر دل کے اندر نہ ہونے پائے۔ اور کمال حضوری سے لفظ **اللّٰہ** کی ضرب قلب یا دیگر لطائف کے مقامات پر لگائے اور اس کثرت سے ذکر کرے کہ قلب ہر وقت ذکر کا عادی ہو جائے۔ اور سالک تکلیف سے بھی ترک ذکر کی خواہش کرے تو اس کیلئے ممکن نہ ہو۔ حضرت شاہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

ے لب بہ بند وچشم وگوش بند　　گر نہ بینی سرِ حق بر ما بخند

۲۔ **لطیفۂ روح**: اس کے بعد دوسرا لطیفہ روح ہے۔ یہ زیر پستان راست بفاصلہ دہ (دس) انگشت ہے۔ اس لطیفے کا نور سرخ ہے اور اس کی ولایت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر قدم ہے جس کو یہ حاصل ہو جائے اُسے ابراہیم المشرب کیا جاتا ہے۔

۳۔ **لطیفۂ سر**: تیسرا لطیفہ سر ہے۔ اس کی جگہ بائیں پستان سے بفاصلہ دوانگشت سینے کی طرف ہے۔ اس لطیفے کے نور کا رنگ سفید مانند پنیر ہے۔ اور اس کی ولایت زیر قدم

حضرت موسیٰ علیہ السلام ہے ۔ اس کے حامل کو موسوی المشرب کہتے ہیں ۔

۴۔لطیفۂ خفی: چوتھا لطیفہ خفی ہے۔ اس کا مقام دائیں پستان سے دہ (دس) انگشت سینے کی طرف ہے۔اس کے نور کا رنگ سیاہ ہے۔اور اس کی ولایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔اس نور کے حاصل کرنے والے کو عیسوی المشرب کہا جاتا ہے۔

۵۔لطیفۂ اخفی: پانچواں لطیفہ اخفیٰ ہے۔اس کی ولایت نبی آخر الزماں ﷺ کے زیر قدم ہے۔اس کے نور کا رنگ سبز زمرد مائل ہے اس کا مقام خفی سے اوپر وسط سینہ ہے۔ جس کو یہ لطیفہ حاصل ہو جاتے۔اُسے لوگ محمدی المشرب کہتے ہیں۔حضرت محبوب سبحانی امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ نماز تہجد اندھیرے میں پڑھی جائے۔کیونکہ اس سے اخفیٰ جلد حاصل ہوتا ہے۔جس طرح حضور ﷺ کی ذات پر دین کی تکمیل ہوئی۔اسی طرح دیگر لطائف کی تکمیل بھی حضور ﷺ کے ساتھ منسوب لطیفے کو طے کرنے سے ہوتی ہے۔اور جس طرح تمام انبیاء حضور اکرم ﷺ کے زیر سایہ ہیں۔اسی طرح لطیفہ اخفیٰ جس کی ولایت حضور ﷺ کے زیر قدم ہے تمام ولایتوں کی تکمیل کرتی ہے۔

۶۔لطیفۂ نفس: لطیفہ نفس کا مقام پیشانی ہے۔اس کے نور کا رنگ سفید مثل آفتاب ہے۔ ان لطائف کو طے کرنے کیلئے محبت شیخ اور مراقبہ ضروری ہیں۔محبت شیخ کیلئے تصور شیخ ضروری ہے۔تصور شیخ وسیلہ و ذریعۂ حضوریٔ قلب ہے خارجی خطرات سے محفوظ ہو کر سالک جلد ہی لطائف عشرہ کو طے کر سکتا ہے۔بعض لطائف کے نزدیک جب لطائف کے انوار ستاروں کی مانند نظر آنے لگیں۔تو یہ خیال کیا جا سکتا ہے۔کہ پانچ لطائف عالم

خلق اور پانچ لطائف عالم امر حاصل ہو چکے ہیں۔

جب پانچوں لطائف میں پختہ ہو جائے۔ تو بیک تصور پانچوں ذکر کرے۔ تاکہ پورے بدن سے ذکر جاری ہو جائے۔ اسے **سلطان الاذکار** کہتے ہیں بعدہٗ ذکر نفی اثبات کرے اس کے بعد مراقبات عشرہ کرے جو کہ چار کے اندر جمع ہیں۔

ویسے اس دور میں طالبوں کی ہمت و استطاعت کم ہے۔ اس لئے پیران نقشبند پہلے ذکر کی تلقین فرماتے ہیں۔ اور ریاضات و مجاہدات شاقہ کی بجائے۔ اعمال اور عبادات میں میانہ روی کا حکم کرتے ہیں۔ حد اعتدال کی ہر حالت میں رعایت رکھتے ہیں۔ اور طالب کے حق میں توجہ باطنی فرماتے ہیں۔ کیونکہ کئی چلے بھی اس کی برابری نہیں کر سکتے۔

؎ آنکہ بتریز یافت یک نظر شمس دیں   سخرہ کند بردہ طعنہ زند بر چلہ

طالبوں کو بدعت سے اجتناب اور اتباع سنت کا حکم فرماتے ہیں۔ حتی الوسع رخصتی عمل اُس کے حق میں تجویز کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اپنے طریقہ میں ذکر خفی اختیار کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں ذکر خفی کی ستر درجہ ذکر جلی سے افضلیت ثابت ہے۔ طریقۂ نقشبندیہ اقرب و اسبق، اوفق، احکم و اسلم و اصدق، ادنیٰ و اعلیٰ و اجل و ارفع و اکمل و اجمل ہے۔ اس طریقہ میں تین اشغال کا معمول ہے۔ ا۔ شغل ذکر۔ ۲۔ شغل مراقبہ۔ ۳۔ شغل ذکر رابطہ۔

شغل اول۔ ذکر اسم ذات بانفی اثبات مگر پہلے سالک کو صرف اسم ذات ہی کے لئے ارشاد فرمایا جاتا ہے۔ اور اس کا طریقہ یوں ہے۔ کہ سب سے پہلے سالک اپنے قلب کو جمیع خطرات و حدیث النفس سے خالی کر کے گذشتہ و آئندہ کی اپنے دل سے نفی کرے۔ اور رفع خطرات کے لئے جناب الٰہی میں تضرع وزاری کرے۔ اور جس بزرگ سے

تلقین پائے۔ اُس کی صورت کا تصور دل کے مقابل یا دل کے اندر لے جائے اس تصور صورت شیخ کو ذکر رابطہ کہتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ اگر ذکر کے وقت بھی شیخ کا تصور بے تکلف ظاہر ہو۔ تو اُس کو بھی قلب کی طرف لے جانا چاہیے۔ اور قلب پر نگاہ رکھ ذکر کرنا چاہئے۔ اس کے بعد پھر ذکر میں مشغول ہو۔ مگر ساتھ وقوف قلبی کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ذکر تنہائی خطرات کی نگہداشت کیلئے ہے۔ اور وہ وقوف قلبی کے بغیر فائدہ مند نہیں۔ حضرت امام طریقہ شاہ نقشبند بخاری قدس سرہ وقوف عددی کو اتنا لازم نہیں سمجھتے تھے۔ جتنا کہ وقوف قلبی کو شرائطِ واجبات سے فرماتے تھے۔ طالب ہر وقت اٹھتے بیٹھتے، لیٹتے، چلتے پھرتے، اسم مبارک اللّٰہ کا ذکر زبان سے جاری رکھے۔ اور اسی کی نگہداشت میں مصروف رہے۔ اور اسی کی طرف دھیان لگائے رکھے۔ تاکہ ذکر کی حرکت دل سے نکل کر سماعت تک آجائے۔ اس کے بعد لطیفہ رُوح سے اسی طرح ذکر کرے۔ پھر لطیفۂ سِر، پھر لطیفۂ خفی، پھر لطیفۂ اخفیٰ اور پھر لطیفۂ نفس کا ذکر کرے۔ اس کی جگہ وسط پیشانی میں ہے۔ اس کے بعد سارے بدن سے ذکر کرے۔ اسے لطیفہ قالبیہ کہتے ہیں۔ طالب کو چاہئے کہ وہ اس کثرت سے ذکر کرے۔ کہ ہر رگ وپے اور بن مُو سے ذکر کی ہی آواز سنائی دے۔ ذکر کے اس طریقہ کو سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ پھر ذکر نفی اثبات طالب کو تلقین فرماتے ہیں۔ جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ نفس کو زیر ناف تصور کر کے لفظ لا کو ناف سے اٹھا کر پیشانی تک لے جائے۔ اور الٰہ کو دائیں کندے پر لا کر الا للہ کی ضرب اس طور سے دل پر لگائے۔ کہ اس کا گزر جملہ لطائف پر ہو جائے۔ اور اس ذکر کا اثر سارے اعضاء پر محسوس ہو۔ یہ ذکر بلا حرکت اعضاء و جوارح کیا جاتا ہے۔ اور جس نفس میں وقت محسوس ہو۔ تو بے

جس ذکر کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہ شرائط میں سے نہیں ہے۔ نیز ساتھ کلمے کے معنی کو بھی درمیان میں رکھے۔ کہ اے معبود کوئی مقصود بجز تری ذات نہیں ہے۔ جب چند بار ذکر کر چکے۔ تو یہ الفاظ اپنے دل میں لائے کہ خداوندا میرا مقصود فقط تو اور تیری رضا ہے۔ مجھے اپنی محبت و معرفت عطا فرما اسے بازگشت کہا جاتا ہے۔ اور جب حصر نفس کرے۔ تو اپنے سانس کو طاق عدد پر چھوڑے۔ اسے وقوف عددی کہتے ہیں۔ نیز جب سانس چھوڑے تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خیال لائے۔ دل کو ایک طرف متوجہ کرنے اور حضوری حق سبحانہ، باطن کی صفائی کی خاطر کھاتے پیتے، بیٹھتے، اُٹھتے ہر وقت ہر آن ذکر میں مصروف و مشغول رہے۔ مگر نگہداشت اور وقوف قلبی ملحوظ خاطر رہے۔ اس تصفیہ کی علامت یہ ہے کہ ہر لطیفے کے انوار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ ان انوارات کا ذکر پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ انوارات باطن سے باہر مشاہدہ ہوتے ہیں۔ اسے سیر آفاقی کہتے ہیں۔ اور جب یہ انوارات باطن کے اندر مشاہدہ میں ہوں تو اسے سیر انفسی کہا جاتا ہے۔ سیر آفاقی زیر عرش ہے۔ جبکہ سیر انفسی بالائے عرش ہے۔ جب یہ قالب سے نکل کر اصول کی طرف رجوع کرتے ہوئے۔ عرش تک پہنچتے ہیں تو یہ سیر آفاقی ہے۔ اور جب عرش کے اوپر پہنچیں۔ تو انہیں ایک جذب اور عروج پیدا ہونے لگتا ہے۔ اور سیر انفسی شروع ہو جاتی ہے۔ اگر وہ شخص صاحب کشف ہے۔ تو وہ انوار اور اپنے سیر کو دریافت کر سکتا ہے۔ کشف کی دو اقسام ہیں۔ ا۔ کشف عیانی اور کشف وجدانی دور حاضر میں اکل حلال کے مفقود ہونے اور دیگر آلائشوں کی وجہ سے صاحب کشف عیانی کم ہیں۔ اس وقت اکثر طُلّب صاحب کشف وجدانی ہی ہوا کرتے ہیں۔ جو کہ کشف عیانی کی نسبت کم درجہ میں ہے۔ لیکن وجدان بھی کشف ہی کی قسم ہے۔ کشف عیانی اور کشف وجدانی

میں فرق یہ ہے کہ صاحب کشف عیانی عیاناً دیکھتا ہے۔ اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی سیر کرتا ہے۔ صاحب وجدان اگرچہ عیاناً نہیں دیکھتا مگر تبدل احوال اور تغیر واردات کو اپنے ادراک سے ہی معلوم کر لیتا ہے۔ جیسا کہ ہوا۔ اگرچہ نظر میں تو نہیں آتی۔ مگر ادراک سے محسوس ہوتی ہے۔ جو شخص ادراک وجدانی سے بھی اپنے حالات کو نہیں دریافت کر سکتا اُسے مقامات کی بشارت دینا گویا طریقہ کو بدنام کرنا ہے۔ شغل مراقبہ سے مراد مبداء فیاض سے فیض کا انتظار کرنا اور اپنے اوپر اس فیض کے وارد ہونے کا لحاظ رکھنا ہے جو فیض حق سبحانہٗ کی طرف سے سالک پر وارد ہوتا ہے اسے ورود فیض کہتے ہیں۔ لہٰذا دائرہ امکان میں ہر مقام پر مراقبے معین فرمائے گئے ہیں۔

شغل ذکر رابطہ۔ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ شیخ کی صورت کو اپنے ادراک یا دل میں نگاہ رکھے۔ یا اپنی صورت کو شیخ کی صورت تصور کرے۔ جب یہ رابطہ بڑھ جاتا ہے تو ہر ایک چیز شیخ ہی کی صورت میں نظر آتی ہے۔ اسی کو فنافی الشیخ کہتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ طریقہ رابطہ بہت ہی قرب کا راستہ ہے۔ اور اس کا منشاء عجائب وغرائب کا ظاہر ہونا ہے۔

﴿سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ نوریہ چورہ شریف﴾

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ نوریہ چورہ شریف کے بانی

حضرت شیخ شاہ نور محمد رحمتہ اللہ علیہ المعروف بابا جی صاحب ہیں۔آپ تیراہ قبائلی علاقہ سے نقل مکانی فرما کر چورہ شریف آباد ہو گئے۔آپ نے جملہ فیوض و برکات ظاہری و باطنی اپنے والد گرامی حضرت محمد فیض اللہ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کئے اور حضرت محمد فیض اللہ شاہ تیراہی نے رام پور کے مقام پر حضرت سید حافظ شاہ جمال اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ جن کا وطن مالوف شاہ دولہ گجرات بتایا جاتا ہے بیعت فرمائی تھی۔حضرت حافظ شاہ جمال اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ قطب الاقطاب سید قطب الدین رحمتہ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ تھے۔حضرت حافظ شاہ جمال اللہ رحمتہ اللہ علیہ مصطفےٰ آباد رام پور میں رشد و ہدایت کا کام سرانجام دیتے رہے۔رام پور کے نواب ملک علی خان کو حضرت حافظ صاحب قدس سرہ سے کمال درجہ محبت و عقیدت تھی ۔چنانچہ نواب نے وصیت کر رکھی تھی کہ جب اس کا انتقال ہو جائے تو اسے حضرت حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے قریب دفن کیا جائے۔لہٰذا وصیت پوری کی گئی۔اور نواب کو حضرت سید صاحب کے مزار اقدس کے قریب دفن کیا گیا۔قبلہ حضرت حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی وفات ۴ صفر المظفر ۱۲۰۹ھ کو ہوئی آپ کا مزار مقدس رام پور میں ہے۔بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت قطب العالم جناب سید شاہ جمال اللہ رحمتہ اللہ علیہ ایک دن اپنے مریدین و

معتقدین کے ہمراہ سیر کو تشریف لے جا رہے تھے کہ آپکا گزر قلعہ رام پور کے اس برج کے قریب سے ہوا جہاں پر کہ حضرت محمد فیض اللہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ اپنی ملازمت کے سلسلہ میں موجود تھے۔ جونہی حضرت محمد فیض اللہ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی نظر حق شناس حضرت حافظ سید جمال اللہ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ قدس سرہ کے چہرہ پُرانوار پر پڑی تو آپ از خود رفتہ ہو گئے اور سمجھ لیا کہ وہ شخص جس کی مجھے مدتوں تلاش رہی ہے مل گیا ہے۔ اتنے میں آپ پر بے خودی و بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی حضرت سید حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو دبوچ لیا اور گھر لے جا کر تسلی و تشفی دی بیعت سے مشرف فرمایا اور آپکی تربیت کے لئے حضرت خواجہ شاہ عیسٰی ولی رحمتہ اللہ علیہ کے سپرد فرمایا جو کہ آپ کے محبوب خلیفہ تھے۔

حضرت شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ملتان کے مضافات گنڈا پور کے مقام پر ہوئی۔ بعض حضرات نے اسے چوڈہ بھی کہا ہے۔ آپ خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ کی کیمیا اثر مجالس میں حاضر ہو کر ہزاروں بندگان نے انوارات ظاہری و باطنی سے اپنے قلوب کو منور کیا۔ آپ حضرت شاہ جمال اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے بہت ہی محبوب خلیفہ تھے۔ آپ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ طویل عرصہ تک حضرت حافظ جمال اللہ شاہ قدس سرہ کی صحبت میں رہے اور آپ دہلی اور رام پور کے سفروں میں بھی حضرت کے ہمراہ حافظ سید صاحب اکثر اپنے زیر تربیت حضرات کو تکمیل کے لئے آپ کے سپرد فرما دیا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ ان کو جلد درجہ کمال تک پہنچا دیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے آپ کے مرشد آپ پر حد درجہ مہربان اور شفیق تھے۔

حضرت شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ اپنے شیخ کی وفات کے بعد اپنے وطن مالوف موضع گنڈہ پور واپس تشریف لے آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ یہیں سے دو دفعہ آپ اپنے مرید خاص اور تربیت یافتہ حضرت محمد فیض اللہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ صاحب کی ملاقات کی غرض سے علاقہ تیراہ تشریف لے گئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ تیراہ تشریف لے گئے

اور حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے تمام فرزندان کو اپنے پاس طلب فرمایا۔ آپ نے ان سے نہایت شفقت و محبت کا اظہار فرمایا اور صاجزادگان کے متعلق تمام حالات دریافت فرمائے آخر میں آپ نے خصوصی توجہ سے حضرت خواجہ شاہ نور محمد رحمتہ اللہ علیہ کا حال دریافت فرمایا۔ اس پر حضرت محمد فیض اللہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ صاحب نے عرض کیا۔ کہ حضرت ان کے دوسرے تمام برادران تحصیل علم کر چکے ہیں۔ اور علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنی کی بھی تکمیل کرائی جا رہی ہے لیکن ان کا ذہن اچھی طرح رسائی نہیں کر رہا اور یہ ابھی ابتدائی مراحل ہی سے نہیں گزر سکے اور اسی محرومی کے ردعمل کے طور پر اکثر افسردہ رہتے ہیں انہیں اس محرومی کا بہت زیادہ احساس ہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے یہ تمام گفتگو سنی ہلکا سا تبسم فرما کر حضرت خواجہ شاہ نور محمد رحمتہ اللہ علیہ کو اپنی طرف اشارہ کر کے بلایا چنانچہ آپ حضرت خواجہ شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ کے قریب آئے تو آپ نے کمال محبت سے حضرت کی حالت پر رحم فرماتے ہوئے اپنے سینہ مبارک سے لگایا پیار کیا اور تسلی دی بس اسکے بعد حضرت بابا جی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا سینہ انوار باطنی وظاہری سے مزین ہو گیا اور منزل مراد قریب تر ہو گئی ایسا شرح صدر ہوا کہ جس کتاب کو پڑھتے تھے اس پر حاوی ہو جاتے تھے عبارات زبانی یاد ہو جایا کرتی تھیں جب کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو پوری شرح و اسناد کے ساتھ بیان فرما دیا کرتے تھے۔

ع:۔ نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ایک دن حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ تیراہی نے حضرت شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے زمانہ طالب علمی میں ایک شخص جو کہ حضرت جی کے نام سے مشہور تھا (حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کا مزار دریائے اٹک کے کنارے

قلعہ کے قریب ہے وہاں سالانہ عرس منایا جاتا ہے اور کثرت سے لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں) مجھے بہت ہی عزیز تھا اس کی یاد بعض اوقات مجھے بہت ستاتی ہے جی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کی ملاقات کرا دے۔ اس کی فرقت نے مجھے بیتاب کر رکھا ہے وہ پشاور کے قریب کسی جگہ رہتے ہیں۔ حضرت شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کی اس درخواست کو بہت غور سے سنا اور فرمایا آپ کی اس خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔

ابھی کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ آپ حضرت فیض اللہ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو ساتھ لیکر سفر پر روانہ ہوئے تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد آپ ایک ویران و بیابان جگہ پر حضرت شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ مراقبہ میں بیٹھ جاؤ، ساتھ خود بھی مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی سی دیر کے بعد دیکھا کہ دو شخص انکی طرف بڑھے چلے آرہے ہیں قریب پہنچ کر ہر دو نے آپ کو اسلام علیکم کہا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر بڑے ادب و احترام سے مصافحہ کیا جب حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ انکی طرف غور سے نظر کی۔ تو ان میں سے ایک حضرت جی تھے جن سے ملاقات کے اشتیاق نے انہیں حد درجہ مضطرب و پریشان کر رکھا تھا ۔لیکن دوسرے شخص کو آپ نہ پہچان سکے۔ چنانچہ حضرت شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو دیوانہ کہ کر مخاطب فرمایا اور پوچھا کہ کیا تو اس دوسرے شخص کو شناخت کر سکتا ہے ۔حضرت محمد فیض اللہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے نفی کا جواب سن کر حضرت شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ دوسرے شخص حضرت خضر علیہ السلام ہیں تمہیں جو کچھ بھی طلب کرنا ہے ان کے سامنے دست سوال دراز کرو۔ اس پر حضرت شاہ محمد فیض اللہؒ نے

جواب دیا کہ حضرت میرے خضر تو آپ ہیں مجھے جو کچھ بھی حاصل ہوگا تو سب جناب ہی کی نظر کرم سے حاصل ہوگا۔ اگر حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات بھی ہوئی ہے تو یہ سب آپ کا ہی کرشمہ ہے اور آپ ہی کے فیض سے ہے ورنہ میں کیا اور میری بساط کیا تھی۔ حضرت خواجہ سید شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ اپنے مرید کا یہ وفادارانہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے اٹھ کر گلے سے لگا لیا اور چند لمحات ہی میں وہ مدارج طے کرا دیئے۔ جن کو حاصل کرنے کے لئے بڑی محنت شاقہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور طویل عرصہ بھی درکار ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ کے دو فرزند صاحب ولایت و کمال تھے جب حضرت کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے دونوں صاحبزادگان والاشان کو وصیت فرمائی کہ میرے وصال کے بعد تم دونوں حضرت محمد فیض اللہ شاہ تیراہی رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت میں رہنا یہاں تک کہ بقیہ منازل میں تمہارا پوری طرح عبور نہ ہو جائے ۔ اور ہرگز ان سے علیحدگی اختیار نہ کرنا چنانچہ دونوں صاحبزادگان نے اپنے عظیم والد گرامی کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے حضرت محمد فیض اللہ شاہ تیراہی رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے۔ اور ان سے اپنے باپ کی طرف سے دیے گئے فیوض و برکات کو صحبت کیمیا اثر میں رہ کر حاصل کیا۔ دونوں صاحبزادگان نے اعلیٰ مدارج حاصل کیے۔ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ صاحب تیراہی رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بھی آپ دونوں صاحبزادگان کئی مرتبہ تیزئی شریف تشریف لے گئے۔

حضرت شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ کی وفات انکے آبائی گاؤں گنڈا پور کے مقام پر ۷، ذی الحج ۱۲۲۰ھ کو ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک بھی گنڈا پور میں ہی ہے۔

حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ تیراہی رحمتہ اللہ علیہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ تیراہی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت حافظ شاہ جمال اللہ رحمتہ اللہ علیہ سے رام پوری سے بیعت کی تھی۔ بیعت کے بعد حضرت حافظ جی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو حضرت شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ کے سپرد فرما دیا تھا جنہوں نے آپ کی تربیت کی اور تکمیل کرائی۔ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ بمقام تیزئی علاقہ تیراہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ نہایت ہی باکمال بزرگ تھے۔ کشف و کرامات میں آپ کا مقام بہت ہی بلند تھا۔ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ تیراہی رحمتہ اللہ علیہ کے والد گرامی کا اسم مبارک محمد تھا جو کہ علاقہ شادی خیل ضلع کوہاٹ میں تدریسی کام سرانجام دیتے تھے۔ اس علاقہ میں حضرت قاضی خان محمد کے نام سے مشہور تھے درس و تدریس میں آپ بہت ماہر تھے علوم دینی کے علاوہ علوم باطنی میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ نے حضرت محمد فیض اللہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیم خود ہی مکمل کرائی تھی۔ انوار الاصفیاء میں خلیفہ محمد سعید کے حوالے سے تحریر کیا گیا ہے۔ کہ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ صاحب تیراہی رحمتہ اللہ علیہ اکیس سال کی عمر میں علوم ظاہری و باطنی سے فارغ ہو گئے تھے۔ آپ نہایت ہی باکمال متشرع اور

صاحب کشف وکرامات تھے۔

علوم ظاہری سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ کو شیخ کی تلاش ہوئی۔ چونکہ آپ خود ایک بلند پایہ عالم نہایت متقی پرہیز گار اور پابند شریعت تھے۔ چھوٹی سی چھوٹی سنت کا ترک بھی روا نہ رکھتے تھے۔ اس لئے اکثر مقامات میں اپنے مقصود کو حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ تاہم مایوس ہرگز نہ ہوئے اور گوہر مقصود کی تلاش جاری رہی۔ اوائل عمر میں ایک دفعہ ایک بزرگ کی شہرت سن کر اس مقام پر حاضر ہوئے اور دیکھا کہ وہ بزرگ نماز میں مشغول ہیں مگر دوران نماز ادائیگی ارکان میں سنت رسول ﷺ سے غفلت برتی جارہی ہے نماز میں دونوں پاؤں کا فاصلہ سنت کے مطابق نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر آپ فوراً واپس لوٹ آئے۔ کہ جس کو خود ہی شریعت میں اہتمام نہیں ہے اور نماز میں عدل ارکان سے غفلت برتی جارہی ہے وہ میری تربیت کیسے کرے گا اور میں اس سے کیونکر فیض حاصل کرسکوں گا۔ ابتدا میں آپ نے پیشہ سپہ گری اختیار کیا قلیل عرصہ میں فنون جنگ میں مکمل دسترس حاصل کرلی۔ اور احمد شاہ ابدالی کی فوج میں شامل ہوگئے۔ آپ اپنے مشاہیر میں سے کچھ ضرور پس انداز فرمالیا کرتے تھے اور یہ رقم فقراء وصلحاء ومساکین پر خرچ فرمایا کرتے تھے۔ اسی دوران حضرت حافظ سید شاہ جمال اللہ رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کا واقعہ پیش آیا اور آپ نے ان سے بیعت حاصل کرلی۔ حضرت شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کی تربیت فرما کر کمال تک پہنچادیا۔ ایام ملازمت کے دوران شاہی خاندان سے مراسم کی وجہ سے بعد میں کئی ایک شہزادے آپ کے مرید ہوگئے چنانچہ آج بھی ابدالی خاندان کے افراد کا تعلق دربار عالیہ چوُرہ شریف سے قائم ہے۔

حضرت شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ جب عازم ملتان ہوئے آپ نے حضرت فیض اللہ شاہ

صاحب کو حضرت شاہ جمال اللہ قدس سرہ کی خدمت پر مامور کیا۔ چنانچہ آپ نے مسلسل چار سال تک نہایت خوش اسلوبی سے اپنے شیخ کی خدمت سرانجام دی۔ آپ اپنے پیر کے کپڑے خود دھوتے۔ وضو کے لئے پانی لا کر دیتے۔ اٹھارہ سال کے بعد حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ صاحب کو حضرت شاہ جمال اللہؒ نے وطن جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اس طویل عرصہ کے بعد جب آپ وطن جاتے ہوئے موضع ڈوڈہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہاں تپ (بخار) کی بیماری عام ہے۔ وہاں پر لوگوں نے آپ سے دعا کی درخواست کی۔ چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور لوگوں کو اس مرض سے نجات دلانے کیلئے دعا کی دم وغیرہ فرمایا۔ تو یہ وباء جلد ہی ختم ہوگئی۔ وہاں کے لوگ پہلے ہی آپ کے بزرگوں کے بہت معتقد تھے بہت خوش ہوئے آپ نے مسلسل تین ماہ تک موضع ڈوڈہ میں قیام کیا۔ اور خلق خدا نے آپ سے ظاہری و باطنی فیوض و برکات حاصل کیے۔ اسی دوران مفتی کوہاٹ قاضی عبدالحمید صاحب سے جو کہ حضرت شاہ محمد فیض اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے ملاقات ہوئی۔ قاضی صاحب نے اپنی دختر نیک اختر کو اپنے نکاح میں قبول فرمانے کی استدعا کی۔ آپ نے استخارہ کر کے جواب دینے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ استخارہ میں آپ کو یہ عقد کر لینے کا حکم ہوا۔ اور اشارہ ہوا کہ اس بی بی صاحبہ کے بطن سے آپ کو ایک فرزند ہو گا۔ وارث علوم امام ربانی ہوگا۔ اور ایک عالم ان کے فیض سے فیض یاب ہوگا۔ یہ مائی صاحبہ علوم دینیہ میں کامل دسترس رکھتی تھیں۔ فقہ کی بہت بڑی ماہر تھیں۔ چنانچہ آپ نے یہ عقد کرلیا اور پھر اپنے وطن تیراہ تشریف لے گئے۔

اٹھارہ سال کے بعد جب آپ اپنے وطن تیزئی پہنچے۔ تو آپ کی پہلی بیوی صاحبہ نے جن کے بطن سے ایک صاحبزادی صاحبہ تھیں۔ اور انکی عمر اس وقت انیس سال ہو چکی تھی۔

طویل مفارقت کی وجہ سے وہ آپ کو نہ پہچان سکی تھیں۔ کیونکہ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ جب گھر سے تشریف لے گئے تھے۔ تو ملازمت کے سلسلہ میں گئے۔ مگر اب تو دنیا ہی بدل چکی تھی۔ چنانچہ اس وقت کے لباس وضع قطع، چال ڈھال اور اب کے حالات میں زمین آسمان فرق ہو چکا تھا۔ اس پر آپ نے کسی دوسرے مکان میں مع دوسری بیوی صاحبہ ڈیرہ ڈال دیا۔ اور مسلسل تین ماہ تک دوسری بیوی کے ہمراہ اسی گاؤں دوسری جگہ پر رہے۔ ایک دن اتفاقاً مولوی شیر محمد جو کہ کافی عرصہ تک آپ کے والد گرامی کے شاگرد رہے تھے۔ ایک جنازہ میں ملاقات ہوگئی۔ حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو فوراً پہچان گئے۔ مولوی شیر محمد کے استفسار پر آپ نے اپنی ملازمت، بیعت وخلافت، واپسی اور پھر اندرون خانہ ودیگر لوگوں کی عدم شناخت کے دلچسپ واقعات سنائے۔ مولوی شیر محمد نے گاؤں کے لوگوں کو اکٹھا کیا۔ اور حضرت کی تصدیق کی۔ اور اس طرح انہیں اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی۔

آپ حضرت خواجہ شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کیلئے ہر سال گنڈا پور تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ رستے میں سخت بیمار ہو گئے۔ ایک حجرے میں قیام پزیر تھے۔ کہ حضرت شاہ عیسیٰ ولی رحمتہ اللہ علیہ کہیں سے تشریف لائے۔ اور لوگوں سے کسی بیمار مسافر کے بارے میں دریافت فرمایا۔ لوگوں کے بتانے پر آپ اس مسجد کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ جہاں آپ صاحب فراش تھے۔ جونہی حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ کی نظر اپنے شیخ پر پڑی۔ آپ پر حالت وجد و جذب طاری ہوگئی۔ حضرت نے آپ کو اٹھا کر اپنے سینہ مبارک سے لگا کر تسلی دی۔ بس ایک ہی معانقہ کے بعد آپ کی طبیعت سنبھلنے لگی۔ صبح تک مکمل صحت یاب ہو گئے۔ ہر دو بزرگان نے وہاں دو روز قیام

کیا اور پھر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

اس کے بعد کا واقعہ ہے ایک دفعہ پھر آپ حضرت حافظ سید جمال اللہ قدس سرہٗ کی زیارت کیلئے رام پور تشریف لے گئے۔ اور مسلسل سات سال تک حضرت کی شب و روز خدمت کی۔ اور پھر اپنے شیخ کے حکم کے مطابق اپنے وطن مالوف تشریف لے آئے۔ اس دوران حضرت خواجہ شاہ عیسیٰ ولی رحمۃ اللہ علیہ دو مرتبہ تیزئی تشریف لائے۔ قیام تیزئی شریف کے دوران ایک اونچے چبوترے پر آپ تشریف رکھتے تھے۔ وہاں ایک درخت بہت ہی بلند قامت اور موٹا مگر خشک تھا۔ آپ اس سے ٹیک لگا کر کتاب لکھا کرتے تھے۔ جس وقت آپ پانی پیتے تو جو پانی بچ جاتا تھا۔ وہ اس درخت کی جڑوں میں ڈال دیا کرتے تھے۔ ایک ماہ کے مختصر عرصہ کے بعد وہ خشک درخت دوبارہ ہرا ہو گیا۔ اسی طرح ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ایک دفعہ پانی کی سخت قلت تھی۔ تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضور دعا فرمایئے۔ کہ جہاں پر ہم زمین کھودیں تو پانی نکل آئے۔ چنانچہ آپ لوگوں کو ساتھ لیکر ایک درخت کے نیچے آ گئے۔ اور وہاں پر زمین کھودنے کا حکم دیا لوگوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ ابھی تھوڑی سی ہی کھدائی کی تھی۔ کہ نہایت صاف شفاف اور میٹھا پانی نکل آیا۔ لوگ حضور کی کرامت کے معتقد ہو گئے۔ وہ پانی ایک چھوٹی سی نہر کی صورت میں اب تک جاری و ساری ہے۔ آپ نہایت مستجاب الدعوات تھے۔ جو کوئی حاجت لے کر آتا حضرت کی دعا سے اس کی حاجت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پوری ہو جاتی۔ آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کی بھی زیارت نصیب ہوئی۔ جب کہ آپ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حافظ سید رحمۃ اللہ علیہ صاحب آپ کے ہمراہ تھے۔

آپ کے ہاں اولاد نرینہ نہ تھی۔ آپ دونوں بیویوں کے ہمراہ تیزئی شریف میں مستقل

طور پر قیام پذیر تھے۔ آپ کی پہلی بیوی صاحبہ نے جو کہ آپ کے والد گرامی کے زمانہ میں عقد میں تھیں۔ درگاہ باری تعالیٰ میں یہ منت مانی۔ کہ اللہ تعالیٰ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو فرزند عطا کرے۔ تو میں سو رکعت نماز نفل تا زیست ادا کرتی رہونگی۔ اسی طرح دوسری بیوی صاحبہ نے رب کے حضور وعدہ کیا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے فرزند عطا کیا تو میں اسے بڑی بیوی صاحبہ کو بخش دوں گی۔ اور میں خود اس سے کوئی واسطہ غرض نہ رکھوں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی سال چھوٹی بیوی صاحبہ کو فرزند ارجمند عطا فرمایا۔ بڑی بیوی صاحبہ نے اس فرزند بلند مرتبت کو اٹھا کر اپنی گود میں لے لیا۔ اور دودھ پلانا شروع کر دیا۔ قدرت خداوندی سے بڑی بیوی صاحبہ کو ایسے دودھ اترنا شروع ہوا گویا یہ فرزند انہی کے بطن پاک سے تولد ہوا ہے۔ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ صاحب نے اپنے اس بیٹے کا نام شاہ نور محمد رکھا۔ اور اپنے اس استخارہ کا ذکر فرمایا۔ کہ جس میں آپ کو عقد ثانی سے فرزند کے پیدا ہونے کی بشارت دی گی۔ نیز یہ بھی بتایا گیا کہ یہ فرزند، جانشینِ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ ہوگا۔ اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو اس کی ذات سے ایسا فروغ ہوگا۔ کہ اس کے ہم عصروں میں سے شاید ہی کسی کو ہو۔ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہؒ کے چار فرزندان کے اسماءِ مبارک خواجہ شاہ گل محمد، خواجہ شاہ جان محمد، خواجہ شاہ صالح محمد اور خواجہ شاہ محمد نور ہیں۔ جن میں سے خواجہ شاہ نور محمد چورہ شریف آ کر آباد ہو گئے۔ خلفاء میں آپ کے صاحبزادگان کے علاوہ سید شہزاد، شیر محمد زادہ محمد شاہ اور مولوی محمد امین کے نام مشہور ہیں۔

آپ نے ۲۰ ربیع الاول ۱۲۳۵ھ کو وفات پائی آپکا مزار مبارک موضع تیزئی علاقہ تیراہ میں واقعہ ہے۔

حضرت خواجہ شاہ نور محمد تیراہی رحمۃ اللہ علیہ

(بانی آستانہ عالیہ چورہ شریف ضلع اٹک)

امام طریقت خواجۂ خواجگان حضرت شاہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ
کی ولادت باسعادت کا ذکر ان کے والد گرامی کے حالات زندگی کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے آپ اللہ جل شانہٗ کے فضل و کرم سے بڑی مائی صاحبہ کی منت اور کرامت کے ظہور کے طور پر حضرت محمد فیض اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری بیوی صاحبہ کے بطن مبارک سے ۱۱۷۹ھ میں تیزئی شریف علاقہ تیراہ کے مقام پر پیدا ہوئے آپ نسباً گیلانی سیّد تھے۔آپ کا قد دراز تھا۔چہرہ کتاب کی مانند اور رنگ سرخ گلابی تھا۔سینہ فراخ، کافی گھنی داڑھی اور آخر عمر میں بال سفید تھے۔پیشانی کشادہ تھی زلفیں مبارک شانوں تک معلق رہتی تھیں۔بڑی بڑی آنکھیں جن کی طرف ہر کسی کو دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی غرضیکہ پروقار چہرہ اور دلکش شخصیت کے مالک تھے۔چال، وضع قطع اور لباس میں سنت رسول ﷺ کو مقدم رکھا کرتے تھے۔طبیعت میں جمالیت غالب تھی۔آپ مادرزاد ولی تھے۔آپ نے علوم ظاہری و باطنی اپنے والد گرامی سے حاصل کیے۔اور ہر چہار سلاسل نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ میں انہی سے بیعت و خلافت حاصل کی۔حضرت شاہ

عیسٰی ولی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر خاص اور توجہ کی برکت سے آپ کو علم لدنّی سے وافر حصہ عطا فرمایا گیا تھا۔ اور ایسا شرح صدر ہوا تھا کہ آپ دقیق سے دقیق مسائل کو شرح و بست سے سائل کی تشفی فرمادیا کرتے تھے۔ اور جس طالب کی طرف توجہ خصوصی فرمادیا کرتے تھے۔ قلیل عرصہ میں ہی اسے درجۂ کمال تک پہنچا دیا کرتے تھے۔ آپ اپنے مریدان خاص سے بہت زیادہ التفات فرماتے تھے۔ اپنے مریدان پر ان کی پریشان حالی کے وقت ان کے نگہبان رہتے۔ اور ان کی استعانت فرماتے۔

؎ دست پیر از غائباں کوتاہ نیست　　　دستِ اُو جز قبضۂ اللہ نیست

محبوب سبحانی امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مکتوب نمبر ۳۷، ۲۸۲ دفتر اول حصہ پنجم میں فرمایا ہے۔ کہ جناب خضر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم عالم ارواح میں سے ہیں حق تعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ اجسام کی صورت متمثل ہو کر وہ کام جو جسم سے وقوع پذیر ہوں ہماری ارواح سے صادر ہوتے ہیں حضرت جناب خواجہ شاہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کو عرفِ عام میں ''باباجی صاحب'' کہا جاتا ہے آپ کی ذات بابرکات سے عرب و عجم و دیگر ممالک میں نور اسلام پھیلا۔ اس قدر کثرت سے خلق خدا آپ کی ذات اقدس اور آپ کے خلفاء اور سلسلہ سے فیض یاب ہوئی۔ کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کے عرصہ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ پاک و ہند، عرب، یورپ جہاں بھی جائیں آپ کو سلسلۂ مجددیہ کے اس عظیم نور کی کرن ضرور نظر آئے گی۔ آپ کا فیض تمام اکناف عالم میں ہمیشہ سے جاری و ساری ہے۔ جب آپ اپنے والد گرامی کے وصال کے بعد مسند آراء سجادہ ہوئے۔ تو دو بھائی فقیر اللہ نور اور فقیر عجب نور نے آپ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اور کچھ عرصہ آپ کی

خدمت میں گزارنے کے بعد صاحب اجازت ہو کر رخصت ہوئے۔ان دونوں بھائیوں کو ملک افغانستان میں اس قدر شہرت نصیب ہوئی کہ ان سے بیعت ہونے کے لئے لوگ دور دراز مقامات سے آتے تھے۔اور اپنی باری کے منتظر رہتے تھے۔اسی طرح حضرت خواجہ ہادی نامدار شاہ رحمۃ اللہ علیہ موضع کاشہ جو کہ ڈراڈر سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔دینی علم حاصل کر رہے تھے۔اور کتاب شرح الیاس پڑھ رہے تھے۔ایک دفعہ خواب میں حضرت جناب بابا جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں حکم دیا کہ فوراً میرے پاس آ جاؤ اور بیعت حاصل کرو صبح بیداری کے بعد رات والے خواب کے اثرات ظاہر تھے۔استاد صاحب کے استفسار پر آپ نے مفصل جواب عرض کر دیا چنانچہ استاد صاحب نے بھی آپ کو سفر کی اجازت دے دی۔حضرت ہادی نامدار شاہ صاحب مقام تیزئی پہنچے تو سب سے پہلے آپ کی ملاقات بڑے صاحبزادہ صاحب سے ہوئی۔وہ آپ کو حضرت بابا جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے۔حضرت ہادی نامدار شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے خواب والی نورانی صورت کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔اور پہلی ہی حاضری میں بغیر کسی تامل کے شرف بیعت حاصل کیا۔اپنی استعداد کے مطابق کچھ تحائف بھی پیش کیے حضرت ہادی نامدار رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ سال تک اپنے پیر کامل کی نہایت ہی جانفشانی اور محبت سے خدمت سرانجام دی۔اور حضرت بابا جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر التفات وشفقت بھی حد درجہ آپ پر مبذول رہی۔جب ہادی نامدار رحمۃ اللہ علیہ نے بابا جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کیمیاء اثر سے درجۂ کمال حاصل کیا۔تو بابا جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اجازت وخلافت سے نواز کر علاقہ پنجاب و ہندوستان کی طرف روانہ فرمایا حضرت ہادی نامدار رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات سے بہت سی مخلوق خدا نے فیض

حاصل کیا۔ جب کوئی حضرت باباجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں علاقہ پنجاب (ہندوستان) سے حاضر ہوتا تو اس سے کہتے کہ بھائی ہم نے آپ کی طرف ایک باز چھوڑا ہوا ہے اس کی بازیاں اور بلند پروازیاں قابل دید ہیں۔ حضرت شاہ نامدار رحمۃ اللہ علیہ کو جناب باباجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہادی نامدار شاہ کا لقب عطا فرمایا تھا۔ ایک دفعہ جناب باباجی صاحب کی خدمت عالیہ میں تیزئی شریف (تیراہ) تشریف لے گئے۔ آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ استعداد ودیعت فرمائی ہے کہ میں شاہ نامدار رحمۃ اللہ علیہ جیسے لاکھ خلیفے تیار کر دوں لیکن میں کسی شخص میں اس جیسی استعداد وصلاحیت نہیں دیکھتا۔ حضرت جناب باباجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیض اپنے علاقہ سے نکل کر پورے ہندوستان میں پھیل چکا تھا۔ ہندوستان خصوصاً پنجاب سے کافی تعداد میں آپ کی خدمت میں حاضری کے لئے آیا کرتے تھے۔ لیکن رسل و رسائل کی کمی مقامی زبان سے عدم واقفیت کے علاوہ مال وجان کا بھی ہر وقت خطرہ انہیں درپیش رہتا تھا۔ اور خصوصاً ملا ولی خان آپ کا خوانخواہ مخالف ہو گیا تھا۔ جو کہ آپ کے خلاف ہر وقت ہرزہ سرائی کرتا رہتا تھا۔ بلکہ اہتمام سے حضرت کے معتقدین کے لئے آزاری کا سبب بنا ہوا تھا اس نے اس وقت کے جاہل لوگوں میں ایسی ایسی خرافات مشہور کیں کہ وہاں کے لوگوں نے مشتعل ہو کر اس کا ساتھ دینا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ یارانِ سلسلہ نے آپ سے بصد احترام جملہ تکالیف بیان کیں۔ اور عرض کیا کہ حضور کا مسکن اگر علاقہ پنجاب ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ ہم متوسلین کے لئے سکون کا باعث ہوگا۔ بلکہ پنجاب کیا پورا ہندوستان آپ کے فیض سے فیض یاب ہوگا۔ آپ نے کچھ عرصہ تک تو اس تکلیف کو برداشت کیا مگر آخر کار احباب کی خاطر اپنا مولد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔ اور تیزئی

شریف سے نقل مکانی کر کے ضلع اٹک کے ایک مقام ''چورہ'' گاؤں میں رہائش اختیار کر لی آہستہ آہستہ آپ کی اولاد میں سے تین صاحبزادگان مع اپنی اولاد یہاں ہی آ کر آباد ہو گئے۔ صرف ایک صاحبزادے حضرت شاہ احمد گل وہاں پر رہ گئے۔ بعد میں وہ بھی نقل مکانی کر کے کوہاٹ کے قریب آ گئے۔

چورہ گاؤں جسے اب حضرت باباجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کی وجہ سے چورہ شریف کہتے ہیں۔ راولپنڈی سے کوہاٹ جانے والی ریلوے لائن اور سڑک پر راولپنڈی سے تقریباً ۱۰۸ کلومیٹر اور کوہاٹ سے تقریباً ۷۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک ندی کے کنارے اور سنگلاخ چٹانوں پر واقع ہے۔ چورہ شریف میں ریلوے اسٹیشن اور بس سٹاپ بھی ہے۔ بسوں اور گاڑیوں کی آمد و رفت دن رات رہتی ہے۔ زائرین ریلوے اسٹیشن یا بس سٹاپ پر اتر کر جنوب کی طرف تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر سڑک کا راستہ طے کر کے جاتے ہیں۔ اسٹیشن اور چورہ شریف کے درمیان ایک برساتی نالہ بھی پڑتا ہے۔ خصوصاً برسات کے دنوں طغیانی کے دوران اس میں سے گزرنا خطرناک ہوتا ہے۔ نالہ کے پار بالکل کنارے پر ایک چھوٹی سی بستی دربار شریف کے نام سے موسوم ہے۔ ویسے چورہ شریف تین چھوٹی چھوٹی بستیوں پر مشتمل ہے۔ ایک ''چورہ'' جہاں پر صرف مقامی باشندے آباد ہیں۔ دوسری ''بھورا مار'' ہے۔ اور تیسری بستی کو ''دربار شریف'' کہتے ہیں۔ یہی دربار شریف حضرت جناب باباجی خواجہ شاہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسکن رہا ہے۔ اور یہی آپ کا مدفن اور آخری آرام گاہ ہے۔ جناب باباجی صاحب خواجہ نور محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے یہاں ایک مسجد اور ایک مکان بنا کر دربار شریف کی بنیاد رکھی تھی۔ جو کہ اب خاصی آبادی معلوم ہوتی ہے۔ اور اس آبادی میں تمام باباجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی

اولادھی بستی ہے۔اس آبادی یعنی دربار شریف کے مشرق کی طرف ایک کونہ میں حضرت جناب باباجی صاحب خواجہ نور محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ایک سادہ مگر پر کشش عمارت میں واقع ہے۔آپ کے مزار پر آپ کے حکم کے مطابق کوئی گنبد وغیرہ نہیں بنایا گیا ہے۔بلکہ اسے نہایت سادہ رکھا گیا ہے۔ابتدا میں اس مزار پر کوئی چھت وغیرہ بھی نہ تھی۔بعد میں اس پر چھت ڈالی گئی۔مگر اس میں چھت اور دیواروں کو مزید اونچا کرتے وقت پرانی دیواروں کو نہیں چھیڑا گیا۔کیونکہ اس چار دیواری کی تعمیر میں نتھیال شریف ،آلو مہار شریف،باولی شریف اور دیگر بزرگان سلسلۃ و دیگر بزرگان دین نے اپنے ہاتھوں سے پتھر لگائے تھے۔

جیسا کہ بزرگوں سے مسلسل روایت بیان کی جاتی رہی ہے کہ موضع چوُرہ میں دو نہایت ہی مخلص مرید مسمی فقیر میاں احمد اور فقیر میاں محمد رہا کرتے تھے۔ان میں سے میاں احمد فقیر نے ایک روز تمام رشتہ داروں کو جمع کیا اور انہیں بتایا کہ گذشتہ رات میں نے خواب میں مشائخ کی ایک کثیر تعداد کو اس مقام پر دیکھا ہے۔اور حضرت جناب باباجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس جگہ ندی کے کنارے (موجودہ دربار شریف) ایک مسجد،آبادی اور مزارات کے لئے زمین مخصوص کردو۔چنانچہ فقیر میاں احمد نے وہ جگہ جس پر حضرت باباجی صاحب قدس سرہ' نے خواب میں نشاندہی فرمائی تھی۔چاروں طرف نشان لگا کر الگ کردی۔میاں احمد فقیر کے اس خواب کے گیارہ سال بعد ۱۲۸۴ھ میں آپ ملک تیراہ سے نقل مکانی کر کے چوُرہ شریف تشریف لے آئے۔اور اپنے مرید خاص کو جس جگہ پر اشارہ فرمایا تھا۔اپنے لئے رہائش گاہ اور مسجد وغیرہ تعمیر کرائی۔اور بعد میں اسی جگہ آپ کا مزار مبارک بنا۔میاں احمد فقیر تین سال تک خدمت کرنے کے بعد واصل

باالله ہو گیا۔ میاں احمد فقیر اور میاں محمد فقیر کی اولاد نے بعد میں بھی یہ تعلق قائم رکھا۔ میاں محمد فقیر کی اولاد میں سے امام صادق مرحوم میرے قبلہ و کعبہ والد گرامی حضرت پیر محمد سعید شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر میں رہا کرتا تھا۔ آزاد کشمیر میں پلندری کے مقام پر جب میرے والد صاحب کی وفات ہوئی تو آخری لمحات کے وقت وہ وہاں موجود تھا۔ میرے قبلہ و کعبہ والد گرامی نے اس کی گود میں آخری سانس لیا۔ اسی طرح اس کا لڑکا عبدالجبار اب بھی میرے لنگر و دیگر خانگی امور کا مہتمم ہے۔ اور سفر کے دوران اپنے والد کی طرح میرے ساتھ سفر میں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ (آمین)

جناب باباجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چورہ شریف میں قیام فرمانے پر علاقہ پنجاب و ہندوستان سے آنے والے معتقدین کو بہت خوشی حاصل ہوئی۔ اب اکثر لوگ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کرنے لگے۔ تعلیمات مجددیہ کے مطابق آپ کی طبیعت ابتدائی زمانہ ہی سے اتباع سنت کی طرف مائل تھی۔ چنانچہ آپ اپنے معمولات زندگی میں چھوٹی چھوٹی باتوں میں اتباع سنت کا بہت لحاظ فرماتے تھے۔ حقہ نوشی سے آپ کو سخت نفرت تھی اس سے مریدین کو منع فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ کسی حقہ نوش کو ختم خواجگان میں بھی شرکت کی اجازت نہ تھی۔ آپ نے نہایت سادہ طبیعت پائی تھی آپ نے تقریباً اسی سال تک تیزئی شریف میں قیام فرمایا لیکن اس دوران آپ نے معمولی سے مکان میں ہی رہائش رکھنا پسند فرمایا۔ اسی طرح مہمانوں کے لئے بھی ایک سادہ سا مہمان خانہ تعمیر کروایا۔ آپ کھانے پینے میں بالکل تکلف نہ فرماتے تھے۔ دعوت میں ہمیشہ ہی سادگی کی تلقین فرماتے۔ جو ملتا کھا لیتے، جو ملتا پہن لیتے البتہ اپنے مہمان کی ہر ممکن بہتر میزبانی و عزت افزائی کی کوشش فرماتے کسی کو ہرگز حقیر خیال نہ فرماتے۔

للہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب بھی حضرت کی تمام اولاد میں مہمان نوازی کی صفت موجود ہے۔تمام مریدان سے یکساں سلوک فرماتے اور عام طور پر مہمانوں کے ساتھ ملکر ہی کھانا تناول فرماتے۔اس طرح آپ کی سادگی، عاجزی اور انکساری حاضرین کو بے حد متاثر کرتی تھی۔اور مریدین بھی اپنے اندر ایسی ہی صفات و عادات پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔کسی کی حالت زار کو دیکھ کر آپ افسردہ ہو جاتے غریب کی دل شکنی ہرگز نہ ہونے دیتے۔آپ کے اندر اللہ تعالیٰ نے عفو و درگزر کی خاصیت حد درجہ ودیعت فرمائی تھی۔کسی کی غلطی پر ہرگز ناراض نہ ہوتے۔ بلکہ معاف کر دینے کو افضل قرار دیتے۔ایک دفعہ آپ کا مرید غلام حسن علی آپ سے بدظن ہو گیا۔کچھ عرصہ بعد جب اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو حاضر خدمت ہو کر معافی کا خواستگار ہوا۔نہ صرف یہ کہ آپ نے اسے معاف فرما دیا بلکہ کچھ عرصہ مزید تربیت کے بعد اس کو اعلیٰ مقامات طے کرا کر خلافت سے نواز دیا آپ اکثر باوضو رہا کرتے تھے۔آپ عمر کے آخر حصے میں بھی سردیوں کے موسم میں گرم پانی کے لئے کوئی اہتمام نہ فرماتے۔ بہتے اور شفاف پانی سے وضو فرمانے میں زیادہ شوق کا اظہار فرماتے۔اور نہایت کثیر العبادت تھے۔آپ کے معمولات میں شب بیداری مقدم تھی۔آپ رات کے آخری حصہ میں جاگ کر کسی کے تعاون کے بغیر خود ہی وضو فرماتے۔ اور اکثر بارہ رکعت نماز نفل تہجد ادا فرماتے۔پھر استغفار کی تسبیح ضرور پڑھتے۔اور مراقبہ میں مشغول رہتے، پھر ذکر نفی اثبات اور ذکر اثبات مجرد فرماتے۔ یہاں تک کہ سنتوں کا وقت ہو جاتا سنتیں ادا کرنے کے بعد آپ تھوڑی دیر لیٹ کر جسم کو آرام دیتے۔نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد کسی سے گفتگو نہ فرماتے کہا جاتا ہے کہ آپ ذکر اس قدر تن سازی سے فرمایا کرتے تھے کہ دور دور تک بھونے ہوئے گوشت کی طرح کی بو پھیل

جاتی۔ آپ اشراق اور چاشت کی نماز بھی پڑھا کرتے تھے۔ اس دوران دیگر وظائف و اوراد جاری رہتے۔ بعد از نماز چاشت اپنے مریدین، متوسلین اور سائلین سے ملتے اور ان کو توجہ فرماتے، بیعت فرماتے۔ یہ مجلس دوپہر تک رہتی پھر لنگر تقسیم کیا جاتا۔ کچھ دیر استراحت فرماتے اور اس کے بعد ظہر کی نماز ادا کی جاتی۔ اس کے بعد ذکر نفی اثبات اور تلاوت سورۃ نوح فرمایا کرتے تھے۔ ہمیشہ چار رکعت نماز سنت غیر موکدہ بوقت عصر و عشاء پڑھا کرتے تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعت نفل اوابین بھی آپ کے معمولات میں شامل تھا۔ اس کے علاوہ سورۃ یٰسین، سورۃ فاتحہ، سورۃ واقعہ، آیت الکرسی اور دیگر بہت سی سورتیں اور وظائف آپ کے معمولات کا حصہ تھیں۔ گو آپ کو اپنے والد گرامی سے چہار سلاسل میں اجازت بیعت وخلافت تھی۔ مگر آپ کی رغبت طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کی طرف کچھ زیادہ تھی۔ لہٰذا آپ اکثر اسی سلسلہ میں بیعت فرمایا کرتے تھے۔ تبلیغ اسلام کے عظیم مشن کو جاری رکھنے کے لئے اپنے چاروں صاحبزادگان کے علاوہ کئی ایک مریدین کو بھی اجازت وخلافت سے نواز کر دعوت دین اسلام کی خدمت پر مامور فرمادیا تھا۔ جنہوں نے کمال محبت ومحنت سے حضرت کی طرف سے تفویض کردہ فرض کی تکمیل میں دن رات صرف کیے۔ اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے ذریعے لوگوں کو راہ حق کی طرف بلا کر انہیں راہ نجات سے روشناس کرایا۔ ایسے حضرات کے اسم گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت عجب نورؒ، ۲۔ حضرت اللہ نورؒ ۳۔ حضرت ہادی نامدار شاہؒ (آپ کے حالات کا تذکرہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔) آپ نے حضرت بابا جی صاحبؒ کے حکم کے مطابق موضع نتھیال شریف ضلع اٹک میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی۔ آپ کا وصال ۱۲۸۰ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار مبارک نتھیال شریف ضلع اٹک میں ہے۔ آپ کی اولاد میں سے

حضرت پیر فضل شاہؒ صاحب نہایت باکمال بزرگ تھے۔آپ عالم باعمل، صاحب کشف تھے۔مکتوبات شریف میں خاص عبور حاصل تھا۔شریعت مطہرہ کے سخت پابند تھے۔ آلومہار شریف، باولی شریف، اترولی شریف (انڈیا)، روپڑ شریف، کہیاں شریف و دیگر کئی نقشبندیہ مراکز کا سرچشمہ آپ ہی ہیں۔آلومہار شریف کے صاحبزدہ فیض الحسن شاہ صاحبؒ آخر دم تک چورہ شریف میں تقریباً ہر سال حاضری دیا کرتے تھے۔اب ان کے صاحبزادگان میں سے صاحبزادہ افتخار الحسن شاہ صاحب اپنے بزرگ والد کی طرح دربار شریف باقاعدگی سے حاضری دیتے ہیں۔اور اپنے والد بزرگوار کی طرح پورے خاندان کا نہایت احترام کرتے ہیں۔اسی طرح پورا خاندان بھی ان کی پذیرائی کرتا ہے۔

فقیر حسن علی بھوت مار نزد بسال ضلع اٹک

یہ آپ کے خاص خادموں میں سے تھے۔ایک دفعہ سفر کے دوران انہیں کچھ بدگمانی سی پیدا ہوگئی۔کہ یہ کیا فقیری ہے کہ روزانہ سفر ہی سفر ہے۔دن رات میں کچھ آرام نہیں ہے۔اسی دوران سخت بخار ہوگیا اور شدت بخار کی وجہ سے بیتابی میں اضافہ ہوگیا۔اس وقت حضرت باباجی صاحبؒ موضع الاچی ضلع کوہاٹ میں سردار امیر خان و سردار سمندر خان و سردار سرن خان کی دعوت پر قیام فرما رہے تھے۔حضرت باباجی صاحبؒ نے اپنے ہاتھ سے ثرید بنا کر کھلایا۔اور فرمایا کہ حسن علی! تم تو اس سفر کی تکلیف بھی براشت نہ کرسکے۔اور بدظنی و بدگمانی نے تمہیں گھیر رکھا ہے۔فقیر کو سخت جان اور ثابت قدم ہونا چاہیے۔تسلی و تشفی دی توجہ فرمائی دم فرمایا تو صحت یاب ہوگئے۔بعد ازاں خلافت واجازت و وظائف قصائد عطا فرمائے۔ان کی ذات سے کافی لوگوں نے فیض حاصل کیا۔مزار بمقام بھوت مار نزد بسال ضلع اٹک ہے۔آپ کی وفات ۱۲۹۰ھ میں ہوئی۔

خلیفہ مولوی فضل دین موضع خونی چک گجرات جن کی وفات شعبان ۱۳۲۵ھ میں ہوئی۔

خلیفہ جان محمد کنت ضلع اٹک۔

میاں محمد فقیر چورہ شریف ضلع اٹک

میاں احمد فقیر چورہ شریف ضلع اٹک

میاں صوبہ بمقام کھاریاں ضلع گجرات

ان کے مزار پر حضرت پیر حافظ جماعت علی شاہؒ اکثر جایا کرتے تھے۔

خلیفہ احمد شاہ افغان

خلیفہ خدا بخش بنی والا سکنہ پوڑیسوال ضلع راولپنڈی ان کی وفات ۱۲۹۴ھ میں ہوئی۔ انکا قیام وہاں کے ایک بڑے پانی کے تالاپر ہوا کرتا تھا۔ لہذا انہیں بابا بنی والا کہا جاتا تھا۔ ان کی اولاد بھی وہاں ہی بیٹھتی ہے۔ کثرت سے لوگ روزانہ وہاں حاضر ہوتے ہیں۔ ہر سال نہایت ہی عالیشان عرس منایا جاتا ہے۔ انکی اولاد باقاعدگی سے دربار شریف حاضری دیتی ہے۔

مرتضٰی شاہ مکان شریف ضلع گورداسپور

حبیب اللہ شاہ بساہاں شریف" تحصیل حویلی ضلع پونچھ آزاد کشمیر

یہ حضرت جناب باباجی صاحبؒ سے چہار سلاسل میں صاحب ارشاد تھے۔ نہایت ہی سادہ طبیعت پائی تھی۔ آپ اکثر مراقب رہتے تھے۔ گردن ہمیشہ خمیدہ رہتی۔ بہت مہمان نواز تھے۔ آپکے فرزند پیر ولایت شاہ صاحب جن کا وصال مکہ شریف میں ہوا اور جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔

براہ راست چورہ شریف سے فیض یاب ہو کر صاحب اجازت وخلافت ہوئے۔اس وقت ان کی اولاد مسند ارشاد سنبھالے ہوئے ہے۔پیر محمد امین شاہ صاحب سید پور ضلع چکوال نقل مکانی کر کے وہاں قیام پذیر ہو گئے ہیں۔جبکہ پیر محمد سعید شاہ صاحب و دیگر فرزندگان بساہاں شریف میں رہتے ہیں۔ یہاں پر ہر سال عرس مبارک تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے۔

حبیب اللہ شاہ صاحب بمقام اڑائی علاقہ منڈی ضلع پونچھ مقبوضہ کشمیر

محمود شاہ، حسن شاہ۔سکنہ چھاترہ آزاد کشمیر

ان کے علاوہ جناب شاہ نور محمد قدس سرہ کے اور بھی بہت سے خلفاء ہیں جن کو اجازت و خلافت سے نوازا گیا۔اور جن کے فیض سے خلق خدا مستفیض ہوئی۔

حضرت جناب خواجہ شاہ نور محمدؒ کے چار فرزند تھے۔خواجہ شاہ احمد گلؒ،خواجہ شاہ فقیر محمدؒ،خواجہ دین محمدؒ،خواجہ شاہ محمدؒ تھے۔حضرت بابا جی صاحبؒ نے اپنے چاروں فرزندوں کو چہار سلاسل میں خلافت عطا فرما کر مسند آراء فرمایا۔اور کسی ایک کیلئے یہ منصب خاص نہ فرمایا۔ اگر کوئی شخص بھی اس کے برخلاف بات کہتا ہے تو وہ حضرت بابا جی صاحب کی ذات اقدس پر افتراء پردازی کے سوا کچھ نہیں۔اور حقیقت کے بالکل برعکس ہو گا۔ حضرت خواجہ شاہ احمد گلؒ کے علاوہ بقیہ تینوں فرزندان نے بھی چورہ شریف میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔اور اپنے مقصد کے حصول کیلئے شب و روز لگے رہے۔تینوں حضرات نے ملک ہندوستان میں کئی عظیم خلفاء پیدا کیے۔

حضرت شاہ نور محمدؒ کا وصال ۱۳ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو ہوا آپکا مزار مقدس چورہ شریف کی

ذیلی بستی دربار شریف میں مرجع خاص و عام ہے۔ جہاں پر ہر سال نہایت جوش و خروش محبت و عقیدت سے موزوں موسم میں عرس منایا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ شاہ احمد گل رحمۃ اللہ علیہ

حضرت جناب بابا جی صاحبؒ کے دو فرزند ایام طفلی میں ہی وفات پا گئے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کی طبیعت اکثر افسردہ رہا کرتی تھی۔ ایک رات آپ کے والد حضرت خواجہ محمد فیض اللہ شاہ صاحب آپ کا ہاتھ پکڑ کر ایک چشمے کے کنارے لے گئے۔ اور فرمایا کہ یہ پانی تو فقط ایک ہی گاؤں کی آبادی کو سیراب کرتا ہے۔ مگر تیری ذات سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسی نہر نکلے گی۔ کہ جس کے فیض سے ایک عالم سیراب ہوگا۔ اس سے حضرت کے دل کو سکون نصیب ہوا۔ اور آپ نے اپنے معمولات کی طرف توجہ تیز کر دی۔ تین سال کے بعد حضرت شاہ احمد گلؒ کی ولادت ہوئی۔ ابتدا ہی سے مجذوبیت کے آثار نمودار تھے۔ تاہم پندرہ سال کی عمر میں تو یہ کیفیت ہوگئی کہ نماز میں کھڑے ہوئے تو کھڑے رہے۔ اگر بیٹھ گئے تو بیٹھے ہی رہتے۔ اور اگر دعا مانگنے شروع ہو جاتے تو نہایت عجز و انکساری سے دعا مانگتے اور وہ دعا ختم ہونے میں نہ آتی۔ آپ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے بارہ سال تک پانی نہ پیا۔ آپ کا وجود کشف و کرامات سے بھرپور تھا۔ موضع چورہ شریف کے مستری خیر محمد نے بتایا کہ ایک دفعہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ حضور میری کمر میں درد رہتا ہے۔ اور اس تکلیف کی وجہ سے مجھے محنت مزدوری کرنے میں بہت دشواری پیش آتی ہے۔ ہزار علاج وغیرہ کرائے مگر کوئی

افاقہ نہیں ہوا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ یہ فقیر آج دم کرتا ہے اور انشاءاللہ تازیست آپ کو یہ عارضہ دوبارہ لاحق نہیں ہوگا۔ آپ نے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرا۔ دم فرمایا اور پھر زندگی بھر اس نے کمر کے درد کی کبھی شکایت نہ کی۔

ایک دفعہ آپ موضع بھورا مار تشریف لے گئے آپ کو وہاں پر کسی نے روٹی پانی نہ پوچھا واپس تشریف لائے تو حضرت بابا جی صاحبؒ کے مزار پر حاضری دی۔ اور تیزئی شریف جانے کا ارادہ فرمایا۔ اور ہمشیرہ صاحبہ سے کچھ کھانے کو طلب کیا۔ تو ہمشیرہ صاحبہ نے پوچھا کہ آپ تو بھورا مار تشریف لے گئے تھے۔ وہاں کسی نے آپ کی کوئی خاطر تواضع نہ کی آپ نے اظہار ناراضگی فرماتے ہوئے فرمایا ''بھورے مار کو آگ لگ جائے'' تھوڑی ہی دیر کے بعد اطلاع موصول ہوئی کہ بھورے مار ایک بڑی آگ کی لپیٹ میں ہے۔

ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ بہت سے بزرگان دین اس مسجد میں جمع ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب نے مجھے فرمایا کہ اگر کسی جانور کو کیڑے پڑ جائیں تو تھوڑی سی مٹی لے کر اس پر تین بار یہ آیت شریف دم کر کے زخم پر ڈال دیں۔ انشاءاللہ کیڑے دفع ہو جائیں گے۔ آیت مبارک یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم یا ایھاالذین آمنوا اصبروا و صابروا و رابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون. آپ کی وفات ۱۲۹۵ھ میں ہوئی آپ کا مزار موضع رغہ علاقہ کوہاٹ میں ہے۔

حضرت شاہ فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ شاہ فقیر محمدؒ جناب بابا جی صاحبؒ کے دوسرے صاحبزادہ تھے۔ جب آپ کی ولادت کی خبر حضرت فیض اللہؒ کو ہوئی تو آپ گھر تشریف لائے۔ اور اپنے لب مبارک حضرت شاہ فقیر محمدؒ کے منہ میں ڈال دیئے۔ اور فرمایا کہ یہ لڑکا بڑا ہی نیک بخت اور بلند اقبال ہوگا۔ اس کے وجود سے عوام کو بہت فیض ہوگا آپ نہایت ہی حسین وجمیل تھے۔ اسی لئے آپ گُو گُو بابا (خوبصورت) کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کی ذات والا صفات سے حضرت خواجہ شاہ نور محمد قدس سرہؒ کے سلسلہ کو بہت زیادہ وسعت حاصل ہوئی۔ آپ نے نہایت ہی سادہ طبیعت پائی تھی۔ لباس سادہ ہوا کرتا تھا۔ پوٹھوہاری پاپوش استعمال کرتے تھے۔

ایک دفعہ آپ جامع مسجد خیردین امرتسر میں مراقبہ کی حالت میں بیٹھے تھے۔ حافظ جماعت علی شاہ صاحبؒ علی پوری بھی حاضر خدمت تھے۔ جو اکثر سفر میں آپ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ حافظ صاحب اپنے مرشد سے کچھ کہنا چاہتے تھے۔ آپ نے اپنے رخ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا کہ حافظ صاحب آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اس پر حافظ صاحب نے عرض کیا کہ حضور سامنے جو شخص کتا پکڑے کھڑا ہے میرے ایک مولوی دوست کا لڑکا ہے بدقسمتی سے اپنا مذہب ترک کر کے عیسائی ہو گیا ہے۔ اس پر کسی نصیحت وعظ کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ مجھے اپنے دوست کے اس لڑکے کے مرتد ہونے کا بہت ہی

افسوس ہے۔حضرت حافظ صاحب نے اپنا بیان ختم کیا تو حضرت خواجہ شاہ فقیر محمدؒ نے اس پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا اے لڑکے! اپنا ورثہ تو کوئی نہیں چھوڑتا۔کلمہ شریف ہمارا ورثہ ہے۔تو نے اسے کیوں چھوڑ دیا۔حضرت کی اس بات کا وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔اور اس پر کپکپی طاری ہوگئی۔زاروقطار رونے لگا۔ہچکی بندھ گئی۔نہایت عجز وانکساری سے عرض کیا کہ حضور مجھے دوبارہ وارث بنادیں۔چنانچہ آپ نے اسے دوبارہ کلمہ پڑھایا اور داخل اسلام فرمایا۔

آپ کے پانچ صاحبزادگان تھے۔(۱) جناب شاہ گل نبیؒ۔(۲) شاہ محمد نبیؒ۔ (۳) شاہ احمد نبیؒ۔(۴) سید شاہؒ (۵) قادر شاہؒ

سبھی صاحبزادگان صاحب اجازت وخلافت ہوئے۔اور ہزاروں لوگ ان سے فیوض وبرکات حاصل کرتے رہے۔ان صاحبزادگان کے علاوہ آپ کے خلفاء میں سے چند ایک کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

حافظ جماعت علی شاہ صاحبؒ المعروف امیر ملت۔علی پور سیداں ضلع نارووال۔

جماعت علی شاہ صاحبؒ المعروف لاثانی صاحب۔علی پور سیداں ضلع نارووال۔

حافظ عبدالکریم صاحبؒ عیدگاہ شریف۔شہر راولپنڈی۔

غلام نبی چک قریشیاں۔مولانا غلام محمد بگویؒ۔خطیب بادشاہی مسجد لاہور۔

حضرت خواجہ شاہ فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ چند روز علالت کے بعد ۲۹۔محرم الحرام ۱۳۱۵ھ میں ظہر وعصر کے درمیان انتقال فرمایا۔آپ کا مزار مبارک چورہ شریف کی ذیلی آبادی بھورا مار میں ہے۔

حضرت خواجہ شاہ دین محمد رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت شاہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے تیسرے فرزند ہیں۔ آپکی ولادت ۲۷ رجب ۱۲۳۱ھ بروز جمعۃ المبارک ہوئی۔ آپ نے دینی تعلیم مولوی محمد امین صاحب المعروف استاد کلاں سے حاصل کی۔ ابتداء میں حصول تعلیم کی طرف کچھ زیادہ رغبت نہ تھی۔ جناب باباجی صاحبؒ کی دعا سے پندرہ سال بعد دوبارہ حصول تعلیم کی طرف راغب ہوئے۔ تو پورے انہماک سے پڑھنا شروع کردیا۔ ذہن اس قدر رسا ہوا کہ کئی کتابوں کے متن آپ کو زبانی یاد تھے۔ تفسیر قرآن پر بہت عبور حاصل تھا۔ قوت حافظہ اس قدر تھی کہ کوئی کتاب پڑھتے تو اسے دوبارہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ آپ نے علم تصوف اپنے تایا حضرت شاہ گل محمد سے حاصل کیا۔ اپنے والد گرامی سے خلافت عطا ہوئی۔ قبلہ باباجی صاحبؒ کے وصال کے دو برس بعد آپ نے حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل کی۔ واپسی پر سرہند شریف تشریف لے گئے۔ سفر میں علماء کی خاصی تعداد آپ کے ہمراہ ہوا کرتی تھی۔ جو آپ کے کلام سے فیض یاب ہوا کرتے تھے۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت دیدار شاہ رحمۃ اللہ علیہ

(۲) حضرت عادل شاہ رحمۃ اللہ علیہ

(۳) جناب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۴) حضرت سیدن شاہ رحمۃ اللہ علیہ

طرف مائل نہ ہوئے۔ ان میں سے میاں محمد اسلام صاحب کی طبیعت زیادہ صوفیانہ تھی چنانچہ حضرت خواجہ شاہ محمد قدس سرہٗ نے ان کو سلوک کی منازل طے کروا کر اجازت بیعت و خلافت سے نوازا۔ ان کے بعد ان کے فرزند میاں اکبر علی مسند آراء ہوئے۔ انہیں حضرت قبلہ پیر محمد سعید شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خرقہ خلافت عطا فرمایا۔

حضرت خواجہ شاہ محمدؒ نہایت مستجاب الدعوات تھے۔ ایک دفعہ حضرت قاضی محمد عادل شاہ صاحبؒ کے جواں سال صاحبزادے نبی شاہ اٹھارہ سال کی عمر میں یکم محرم الحرام ۱۳۱۴ھ کو وفات پا گئے۔ قاضی صاحبؒ بہت مغموم رہنے لگے۔ ایک دن حضرات خورد جناب حضرت شاہ محمد علیہ رحمۃ نے فرمایا کہ مجھے جناب باباجی صاحبؒ نے بشارت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم نبی شاہ کا نعم البدل عطا فرمادے گا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد حافظ رشید احمد پیدا ہوئے۔ حضور نے جا کر گود لیا پیار کیا اور دعا دی۔

آپ فرمایا کرتے تھے۔ جو مخدوم بننا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے مرشد کی خدمت و تعظیم کرے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تعظیم ہی سے مرشد راضی اور مہربان ہو سکتا ہے۔ وہ فرماتے کہ پہلے خود خادم بنے تو پھر وہ مخدوم ہوگا۔

ع:۔ ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

آپ اپنے متوسلین سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے۔ اکثر دوستوں کے ساتھ ہی کھانا تناول فرماتے تھے۔ حضرت جناب باباجی صاحبؒ کی حیات میں لنگر کا انتظام آپ ہی فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے دو فرزند حضرت امام شاہ صاحبؒ اور حضرت غلام شاہ صاحبؒ تھے۔ آپ ہی سے اجازت بیعت و خلافت ہوئے اور سلسلۂ رشد و ہدایت جاری رکھا حضرت امام شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دو فرزند تھے۔ پیر اکبر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور پیر محمد بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے مہمان نواز تھے کسی نہ کسی کو کھانا کھلانے کیلئے ساتھ لے آتے تھے۔ خود نماز پابندی سے باجماعت ادا فرماتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔ تہجد بھی پابندی سے ادا فرماتے۔ پورے خاندان سے نہایت ہمدردی فرماتے۔ سادہ غذا مرغوب تھی۔ ایک حادثہ میں زخمی ہوئے تقریباً ایک سال بستر پر رہے آخر ۵ مئی ۱۹۸۰ء انتقال ہوا۔ حضرت شاہ محمدؒ کے دونوں صاحبزادگان کے علاوہ آپ کے دیگر چند ایک خلفاء کے نام یہ ہیں۔

میاں محمد اسلام، سرانوالی نزد سانگلہ ہل شیخوپورہ۔ نور شاہ پونچھ شہر (مقبوضہ کشمیر)۔ پیر بہادر شاہ، اڑائی والا۔ شاہ محمد، بساہاں شریف۔ اکبر شاہ، کرتو والا۔ میر صاحب، پہاڑنگ۔ محمد سعید، پنج وڈ فیصل آباد۔ محمد خان، دھم تھل۔ پیر محمود شاہ، چھاترہ۔ پیر حسن شاہ چھاترہ (آزاد کشمیر)۔

آپ نے ۱۷، رجب ۱۳۱۵ھ وفات پائی۔ اور چورہ شریف میں حضرت جناب باباجی صاحبؒ کے مزار کے مشرق کی طرف دفن ہوئے۔

حضرت غلام محمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت باسعادت تیزئی شریف علاقہ تیراہ میں
ہوئی۔ آپؒ نے وہاں پر ہی دربار میں متعین علماء واساتذہ سے علوم ظاہری کی تکمیل کی۔
آپ نے اپنے والد گرامی سے چہار سلاسل میں خلافت واجازت بیعت حاصل کی۔ آپ
تبلیغ دین کے سلسلہ میں اکثر اوقات سفر پر رہا کرتے تھے۔ بہت ہی اعلیٰ اور دل نشیں وعظ
فرمایا کرتے تھے۔ مردانہ حسن و جمال کے پیکر اور خوش الحانی میں آپ بے مثال تھے۔
خواجہ ولی جوؒ مرحوم والد گرامی خواجہ عزیز الدین سیشن جج، چھاترہ، وخواجہ عزیز جوؒ مرحوم سکنہ
چھاترہ اور بابا نواب خان، سکنہ کوٹ سونڈ کی حسن ابدال نے الگ الگ میرے ساتھ بیان
کیا۔ کہ ہم نے زمانہ دیکھا ہے۔ لیکن حضرت جیسا خوبصورت وجیہہ، بارعب اور نورانی
شخصیت کا مالک کوئی نہیں دیکھا۔ خواجہ ولی جوؒ مرحوم جو کہ خود حضرت کے مرید تھے اور خواجہ
عزیز جوؒ مرحوم چھاترہ کا بیان ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ چھاترہ تشریف لائے۔ مسجد میں قیام
تھا۔ محفل ذکر شروع ہوئی۔ تو آپ جس کسی کی طرف انگلی اٹھاتے وہ وجد میں آجاتا تھا۔
ان کی بڑی بڑی پگڑیاں اچھل کر دور جا گرتیں۔ کچھ ہوش نہ رہتا۔ بس تڑپتے ہی رہتے۔
آخر حضرت اس کے اوپر ہاتھ رکھتے تو سکون محسوس ہوتا۔ سفر کے دوران اپنی سواری
کے لئے اکثر گھوڑا رکھا کرتے تھے۔ آخری دنوں میں اونٹنی سواری کیلئے استعمال فرماتے
تھے۔ حاجی نواب خان نے بیان کیا ہے۔ کہ موضع کوٹ سونڈ کی میں حضرت صاحب کے

لئے وہاں کے ایک خان صاحب نے کچھ زمین نذر کر رکھی تھی۔ آپ وہاں اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے اور مال مویشی وہاں پر رکھے جاتے تھے۔ آپ نے زمین کی حد پر ایک بڑا خوبصورت پتھر رکھوایا ہوا تھا۔ حاجی صاحب کا بیان ہے۔ کہ مصری خان نے مجھے خود بتایا تھا کہ میں وہ خوبصورت پتھر اٹھا کر لے گیا۔ رات حضرت غلام شاہ صاحبؒ خواب میں آئے۔ اور لکڑی سے ضرب لگائی۔ جس آنکھ پر ضرب لگائی تھی درد محسوس ہوا۔ اٹھا دیکھا تو آنکھ خراب ہو چکی تھی۔ اور پھر زندگی بھر ویسی ہی رہی۔

مولوی گلاب خان صاحب، خطیب جامع مسجد کوٹ سونڈ کی بیان کرتے ہیں۔ کہ مجھے فتح جنگ کے ایک بزرگ ولی احمد کی بزرگی کا خیال آیا اسی رات خواب میں دیکھا کہ وہی ولی احمد حضرت غلام شاہ صاحبؒ کے کندھے دبا رہا ہے۔ حضرت صاحب نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ ایسے کئی ولی احمد اس آستانے کے خادم ہیں۔ آپکی اولاد میں تین فرزند ہیں۔ حضرت سلطان محمود شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت محمد سعید شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحب اجازت وخلافت تھے۔ وفات سے قبل آپ تبلیغ دین کے سلسلہ میں مردان تشریف لے گئے۔ معمولی سی علالت کے بعد ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹۰۸ء کو آپ خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کو حضرت شاہ محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بائیں طرف دفن کیا گیا۔

حضرت سلطان محمود شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ بڑے ہی درویش صفت قلندر مزاج اور صاحب
کرامت بزرگ تھے۔ بھوئی گاڑ ضلع اٹک میں تحصیل علم حاصل کیا۔ تصنع اور غیر شرع امور
سے سخت نفرت فرماتے تھے۔ طویل عرصہ تک تبلیغ دین کے سلسلہ میں سفر پر رہا کرتے۔
مریدین سے بہت محبت اور شفقت فرماتے تھے۔ لیکن دین کے معاملہ میں بہت سخت
تھے۔ ذراسی کوتاہی برداشت نہ فرماتے۔ اکثر پیدل سفر کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات
خاموشی سے دوسری جگہ تشریف لے جاتے۔ صاحب خانہ ودیگر مریدین تلاش کرتے رہ
جاتے۔ آپ نے کئی ایک مساجد بنوائیں۔ جو بات کہتے پوری ہو کر رہتی۔ صاف ستھرا
صوفیانہ لباس پہنتے تھے۔ سادہ مگر اچھی غذا کھاتے چائے بہت ہی عمدہ تیار کرواتے۔
آپ کے بڑے صاحبزادے محمد ایوب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۸۶ء میں حج پر
تشریف لے گئے۔ اور ۸۶۔۷۔۲۱ کو وہاں مدینہ شریف میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اور
جنت البقیع میں دفن ہوئے اب ان صاحبزادے، صاحبزادہ علی عباس حسینی مسند آراء ہوئے
ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں جب میں خود حج کی سعادت حاصل کرنے گیا۔ تو جناب عارف شاہ
صاحب بخاری (ایم۔پی۔اے) دوہٹہ شریف کی نشان دہی پر ان کی قبر پر حاضری
دی۔ حضرت خواجہ سلطان محمود شاہ صاحب ؒ کے خلفاء میں قاضی غلام حیدر کوٹ

سونڈ کی، قاضی محمد غوث فیصل آباد، صوفی عبدالعزیز، ایبٹ آباد زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت خواجہ سلطان محمود شاہ صاحب ؒ موضع کٹھانہ ضلع جہلم میں مائی نادرہ کے گھر بیمار ہوئے۔ وہ انہیں چورہ شریف لے آئیں۔ چندروز بعد مورخہ ۱۲، مئی ۱۹۶۸ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔ اور چورہ شریف میں دفن ہوئے۔

حضرت پیر محمد سعید شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر محمد سعید شاہ صاحبؒ اٹھارویں صدی کے آخری عشرہ میں چورہ شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کی صغر سنی میں ہی آپ کے والد گرامی حضرت غلام شاہ صاحبؒ کا وصال ہو گیا تھا۔ کمسنی میں ہی ان کی طرف سے تحریری طور پر آپ کو خرقہ خلافت عطا فرما دیا گیا تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نہایت مدبر اور دور اندیش خاتون تھیں انہوں نے آپ کی بقیہ تعلیم کا بہتر انتظام فرمایا۔ آپ نے مختلف مقامات پر تحصیل علم کیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میرے استاد حضرت میاں جی مرحوم و مغفور مجھے ساتھ لیکر سفر بھی کرایا کرتے تھے اور ساتھ ہی پڑھاتے بھی تھے۔ بعد میں آپ نے اپنے ماموں قبلہ صاحبزادہ حضرت شاہ صاحبؒ (مدفون جموں) سے اکتساب فیض کیا۔ سلوک کی منازل طے کیں۔ اسی لئے آپ جموں کے خاندان کی بہت عزت فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے قرأت کسی عرب قاری سے سیکھی تھی۔ آپ کی قرأت اس قدر سحر آفرین ہوا کرتی تھی کہ جب کبھی آپ کوئی جہری نماز پڑھا رہے ہوتے تھے تو کئی بچے اور کئی بے نماز لوگ محض قرأت سے لطف اندوز ہونے کے لئے نماز میں شامل ہو جاتے۔ آپ کو مثنوی مولانا رومؒ سے بہت محبت تھی۔ مثنوی پڑھنے میں صاحب طرز تھے۔ مولانا عبدالرحمان مرحوم (عباسپور) نے بتایا۔ کہ ابتدائی زمانہ میں جب کبھی آپ وعظ کے دوران مثنوی کے اشعار پڑھتے تو لوگ جھوم اٹھتے۔ وعظ بھی بہت اچھا فرماتے تھے۔ طبیت میں توکل زیادہ

تھی۔زندگی بھر مال جمع کرنے کی حرص نہ رکھی۔تحریک خلافت تحریک پاکستان میں سرگرمی سے حصہ لیا۔مسلم لیگ کی زبردست حمایت کی۔مگر لیاقت علی خان سے اصولی اختلاف کی وجہ سے سیاست سے بالکل کنارہ کش ہوگئے۔جہاد کشمیر میں ذاتی طور پر حصہ لیا۔سینکڑوں جوڑے کپڑے اور بوٹ خود محاذ جنگ پر جا کر تقسیم کیے۔اور مجاہدین کی حوصلہ افزائی کی۔چوہدری غلام عباس مرحوم۔سردار محمد ابراہیم خان،سردار محمد عبدالقیوم خان آپ کی بہت عزت واحترام کیا کرتے۔کرنل شیر احمد خان مرحوم تو آپ کے خاص مریدوں میں شامل تھے۔کشمیر میں آپ نے دینی،معاشرتی وتہذیبی اصلاح کیلئے بہت کام کیا۔جب کشمیری مہاجرین واہ اور مانسر کیمپوں میں پہنچے تو آپ نے نہ صرف مقامی افسران کو ساتھ لیکر ان کی مشکلات کے ازالہ کیلئے کام کیا۔بلکہ اپنی جیب سے بھی خدمت کی۔جناب کرنل خان محمد خان صاحب مرحوم آپ کے بہت عزیز ساتھی تھے۔آپ سے انہیں بہت محبت و عقیدت تھی۔خان صاحب مرحوم خود بھی صف اوّل کے لیڈر رہتے تھے۔اور قوم کی اصلاح کا جذبہ بدرجہ اتم رکھتے تھے۔لہٰذا جب بھی قبلہ حضرت صاحب پلندری کے علاقہ میں دورہ پر تشریف لاتے۔خان صاحب مرحوم حضرت صاحب کے ساتھ رہتے۔اور لوگوں سے رسومات بد کے ترک کرنے اور شریعت محمدیہ پر سختی سے پابندی کیلئے تقاریر کرواتے۔پلندری کی جامع مسجد کی تعمیر میں بھی آپ کی بہت بڑی خدمات ہیں۔آپ کی ذات بیک وقت کئی صفات کا مجموعہ تھی۔آپ ایک متبحر عالم،بہترین مقرر و قاری اور عظیم مدبر و مصلح تھے فقہ میں آپ کو بہت مہارت تھی۔آپ کے استاد حضرت مولانا جناب شاہ صاحبؒ اور نگ آبادی جو کہ اس وقت کے عظیم استاد عالم اور مناظر تھے۔اکثر اوقات مناظروں کے دوران آپ کو ساتھ لیجاتے کیونکہ کسی مسئلہ کو ضبط تحریر لانے میں آپ کو حد درجہ کمال مہارت

حاصل تھی۔ مجھے اکبر علی مرحوم سرانوالی کے خلف الرشید عبدالرزاق (Architect) نے بتایا۔ کہ مجھے شہادت حضرت امام حسینؓ کے بارہ میں دل میں کچھ شکوک پیدا ہوئے۔ رات خواب میں قبلہ حضرت صاحب نے ہدایت فرمائی صبح اٹھ کر توبہ کی۔ آپ کے خلفاء میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

محمد حسین شاہ، چھاترہ۔ ضلع پونچھ، اکبر شاہ، چھاترہ۔ ضلع پونچھ، عبدالسلام شاہ پشاوری مولوی گلاب خان، کوٹ دادو خان نزد حسن ابدال، میاں اکبر علی، نزد سانگلہ ہل محمد یوسف شاہ، لال پل لاہور، شاہ زمان شاہ گوگڈار تحصیل حویلی ضلع پونچھ، میر مظفر شاہ ، پلنگی ضلع پونچھ۔

آزاد کشمیر کے علاقہ پلندری کے احباب کے تقاضا پر وہاں جانے کا ارادہ فرمایا۔ تو میں نے عرض کیا کہ حضور آپ کا ضعف سفر کی صعوبت کا متحمل نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ آپ یہ پروگرام منسوخ کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میری زندگی کا آخری سفر ہوگا۔ اس کے بعد کبھی سفر نہ کروں گا۔ پلندری پہنچ کر دوستوں سے بھی یہی الفاظ دوہرائے۔ پلندری کے مقام سے مجھے آخری خط تحریر فرمایا۔ جس میں نمبر لگا کر مجھے مختلف امور کے بارہ میں ہدایات دی گئی تھیں۔ دورہ پر جانے سے کچھ عرصہ قبل میری والدہ ماجدہ سے کہا کہ مجھے بشارت مل رہی ہے کہ اب میرے یہ دن آخری ہیں۔ کسی وقت بھی بلاوہ آسکتا ہے۔ محتاط رہنا مگر مختار الحسن شاہ سے اس کا تذکرہ ہرگز نہ کرنا۔

۲۶ مئی ۱۹۶۹ء بمطابق ۹ ربیع الاوّل ۱۳۸۹ھ تین بجے دن سینے میں ہلکا سا درد اُٹھا آپ کا خادم امام صادق (میرے خادم خلیفہ عبدالجبار کا والد) حاضر تھا۔ اس نے دبانا شروع کیا۔ امام صادق نے بیان کیا کہ آہستہ آہستہ ہونٹ ہلنے لگے۔ کلمہ وردِ زبان تھا۔

اسی حالت میں آپ خالق حقیقی سے جا ملے اسی شام بذریعہ فون مجھے اطلاع مل گئی۔منشی محمد اعظم مرحوم (ملازم حاجی غنی جوؔ مرحوم) کا بیان ہے کہ جب پنڈی میں مَیں نے قبلہ حضرت صاحب کا چہرہ مبارک دیکھا تو چہرے کی نورانیت کی تاب نہ لا سکا۔آپ زندگی بھر کبھی کھلکھلا کر نہ ہنسے تھے۔ہلکی سی مسکراہٹ فرمایا کرتے تھے۔وصال کے بعد ہلکی سی مسکراہٹ آپ کے چہرے پر نمایاں تھی۔ جو کہ تدفین تک رہی۔

؎ نشانِ مردِ مومن باتو گویم چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

دوسری صبح دس ربیع الاول، حاجی غنی جوؔ مرحوم،عباس پور۔حاجی قربان خان، پلندری۔ شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف و دیگر کئی دوست آپ کا جسد مبارک لے کر چورہ شریف پہنچے بعد دوپہر آپ کو دفن کر دیا گیا۔

(حسن اتفاق سے حضرت صاحب کے حالات زندگی بھی ۱۰ ربیع الاوّل کو تحریر ہوئے۔)

آپ کے پانچ صاحبزادگان ہیں۔

۱۔ پیر محمود الحسن شاہ

۲۔پیر مسعود الحسن شاہ

۳۔پیر مختار الحسن شاہ، (مصنف کتاب ھٰذا)

۴۔پیر محمد طفیل شاہ

۵۔پیر محمد طیب شاہ

حضرت حسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ تینوں بھائیوں میں سب سے چھوٹے اور بہت لاڈلے تھے۔ابھی بہت کم سن تھے کہ آپ کے والد گرامی حضرت غلام شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا۔کبھی اپنے بڑے بھائی حضرت سلطان محمود شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر کرتے اور کبھی حضرت محمد سعید شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہوتے۔قبلہ حضرت محمد سعید شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تعلیم و تربیت خود کی۔بڑے امیر طبع اور نازک مزاج تھے۔اہل بیت سے سخت محبت تھی۔لہٰذا آپ کو حسینی پیر کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔آپ کے صاحبزادے سجاد حسین شاہ تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ملک کے نامور ڈاکٹروں کے علاج کے باوجود جانبر نہ ہو سکے۔تو آپ مایوس ہو گئے۔مختصر سی علالت کے بعد ۶، اپریل ۱۹۷۵ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ان کے صاحبزادہ سجاد حسین شاہ بھی ۱۳ فروری ۱۹۷۶ء کو فوت ہو گئے۔

؎ میں بھی فانی، تو بھی فانی سب ہیں فانی دہر میں
اک قیامت ہے مگر مرگِ جوانی دہر میں

تمت بالخیر:۔ مورخہ ۱۳ ربیع الاوّل ۱۴۰۸ھ۔مطابق: ۶ نومبر ۱۹۸۷ء بر مکان خواجہ عبدالرشید صاحب بمقام ہجیرہ آزاد کشمیر ضلع پونچھ۔

مفکر اسلام مفسر قرآن نباض عصر

حضرت ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

کی حیات و تعلیمات پر مشتمل کتاب

حصہ اول

خطیب العصر حافظ خان محمد قادری

9. مرکز الاویس (نسبت ہوٹل) دربار مارکیٹ - لاہور فون: 7324948

نگاہِ مرشدِ کامل سے عشقِ مصطفیٰ حاصل خدا کا قرب دیتی ہے محبت پیر خانے کی

بیادگار:

نائب مجدد الف ثانی غوث زماں
قطب دوراں حضور سید خواجہ

نور محمد چوراهی

رحمۃ اللہ علیہ بانی آستانہ عالیہ چورہ شریف

آفتاب علم و حکمت سلطان الاولیاء حضور خواجہ پیر سید

محمد سعید شاہ رحمۃ اللہ علیہ

آستانہ عالیہ چورہ شریف

محی السنۃ آفتاب طریقت حضور پیر

سید مختار الحسن شاہ

آستانہ عالیہ چورہ شریف

بمقام: آستانۂ عالیہ چورہ شریف ضلع اٹک

7-6 اپریل

عرس مبارک

زیر سرپرستی

عاشق رسول پیکر خلوص حضور قبلہ حاجی پیر

سید محمد طیب شاہ صاحب

آستانہ عالیہ چورہ شریف

زیر صدارت: محسن ملت پروردۂ آغوش ولایت ممتاز قانون دان حضور قبلہ پیر

سید سیف اللہ شاہ خالد ایڈووکیٹ صاحب آستانہ عالیہ چورہ شریف

زیر اہتمام

فخر السادات، پیر طریقت، رہبر شریعت حضور قبلہ صاحبزادہ علامہ پیر

سید اسد اللہ شاہ غالب صاحب

سجادہ نشین آستانہ عالیہ چورہ شریف

منجانب: حافظ محمد زمان اللہ نوری